نمرہ احمد

مصحف

سنہری صبح بھیگ رہی تھی جب وہ سست روی سے چلتی بس اسٹاپ تک پہنچی۔ کندھے پہ بیگ لٹکائے، ہاتھ میں پانی کی چھوٹی بوتل پکڑے، چہرے پہ ڈھیروں بے زاری لیے وہ بنچ کے قریب آئی، جہاں بیٹھ کر وہ روز دس منٹ بس کا انتظار کرتی تھی۔

اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور بنچ پہ بیٹھ گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے جمائی روکتے دوسرے سے بوتل کھول کر لبوں سے لگائی۔ گرمی آج کل بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ صبح ہی صبح اسے پسینہ آنے لگا تھا، جانے آگے کیا ہو گا، وہ گھونٹ بھرتی بے زاری سے سوچ رہی تھی۔ چہرے پہ بھی وہی اکتائے ہوئے تاثرات تھے، جیسے دنیا بھر سے خفا ہو۔ سنہری پیشانی پہ مستقل بڑے بل اور کارٹج سی

خوب صورت بھوری سنہری آنکھوں میں چھائی خفگی ..... کچھ تھا اس میں جو اسے سارے میں یکتا بناتا تھا۔ لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس، رسّی کی مانند دوپٹہ مفلر کے انداز میں گردن سے لپیٹے، ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ پاؤں جھلاتی، تنقیدی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ سیاہ فام لڑکی آج بھی بنچ پہ اس کے ساتھ بیٹھی ہے۔

ان دونوں کے درمیان اس کا بیگ رکھا تھا اور اس وقت وہ سیاہ فام لڑکی سر جھکائے، نگاہ ترچھی کیے اس کے بیگ کو دیکھ رہی تھی، جہاں جگہ جگہ چاک اور وائٹنر سے اس نے اپنا نام لکھ رکھا تھا۔

"محمل ابراہیم..... محمل ابراہیم..... Ibrahim

مکمل ناول

www.pkdigest.com

Mehmil۔"

آڑا ترچھا' چھوٹے بڑے ہر انداز میں یہی لکھا تھا۔ وہ لڑکی کبھی بھی اس کے بیگ کو دیکھتی تھی' مگر محمل کے تو روز کے دس مٹ اس سیاہ فام لڑکی کا جائزہ لیتے ہی گزرتے تھے۔

وہ بھی عجب پراسرار کردار تھی۔ یہاں' اسلام آباد میں سیاہ فام نظر آ ہی جاتے تھے' مگر وہ اپنے جیسوں سے مختلف تھی۔ سر پہ رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگاتی اور نیچے اوور کوٹ' موٹے ہونٹ' سیاہ رنگت..... مگر چمکیلی آنکھیں..... کوئی ایسی چمک تھی ان میں کہ محمل کبھی ان آنکھوں میں دیکھ نہ پائی تھی ہمیشہ نگاہ چرا جاتی۔ شاید ڈیڑھ مہینہ قبل وہ اسے اپنے مخصوص اوقات میں اسٹینڈ پہ دیکھتی تھی اور ان ڈیڑھ ماہ میں ان کا انداز ہمیشہ یکساں رہا تھا۔

کمر سیدھے رکھے الرٹ سی بنچ پہ بیٹھی' خاموشی سے سامنے سیدھ میں دیکھتی وہ بہت چپ سی لڑکی معلوم نہیں کون تھی اور پھر اس کی وہ پراسرار کتاب.....! سیاہ جلد والی بھاری سی کتاب جس کا سیاہ سرورق بالکل خالی تھا' اس کی گود میں دھری ہوتی اور کتاب کے کناروں پہ اس کے سیاہ ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوتے۔ اس کے انداز سے کچھ خاص جھلکتا تھا۔ کتاب کی حفاظت کا احساس یا شاید اس کے بیش قیمت ہونے کا۔

کتاب بالشت بھر موٹی تھی۔ صفحوں کے جھلکتے کنارے پیلے اور خستہ لگتے تھے' جیسے کوئی بہت قدیم کتاب ہو' سینکڑوں برس پرانا کوئی نسخہ ہو۔ کچھ تھا اس میں کوئی قدیم راز' کوئی پراسرار کتھا۔ وہ جب بھی اس کتاب کو دیکھتی' یہی سوچتی' اور آج جانے کیا ہوا' وہ اس خاموش سی لڑکی سے مخاطب ہو ہی گئی۔ شاید تجسس عاجز کر رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

"پوچھو۔" سیاہ فام لڑکی نے اپنی چمکیلی آنکھیں اٹھائیں۔

"یہ کتاب کس کی ہے؟"

"میری!"

"میرا مطلب ہے' اس میں کیا لکھا ہے؟"

وہ چند لمحے محمل کا چہرہ دیکھتی رہی' پھر آہستہ سے بولی۔

"میری زندگی کی کہانی!"

"اچھا۔" وہ حیرت چھپا نہ سکی۔ "میں سمجھی یہ کوئی قدیم کتاب ہے۔"

"قدیم ہی ہے۔ صدیوں پہلے لکھی گئی تھی۔"

"تو آپ کو کہاں سے ملی؟"

"مصر کی ایک پرانی لائبریری سے یہ کچھ کتابوں کے بیچ پڑی تھی' جب میں نے اسے نکالا تو اس پہ زمانوں کی گرد تھی۔" وہ محبت سے سیاہ جلد پہ ہاتھ پھیرتے کہہ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ "میں نے وہ گرد جھاڑی اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا پھر جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ اسے تو کسی نے میرے لیے لکھوا کر ادھر رکھا تھا۔"

محمل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا دلچسپی ہے اس میں؟"

"میں اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتی ہوں۔ کیا میں اسے پڑھ سکتی ہوں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تم نئے دور کی نئی لڑکی ہو' اس قدیم زبان میں لکھے نسخے کو کہاں سمجھو گی؟"

"مگر یہ ہے کیا؟ اس میں لکھا کیا ہے؟" وہ تجسس اب اسے بے چین کر رہا تھا۔

"میرا ماضی....."

اسی پل ہارن بجا تو محمل نے چونک کر سامنے سڑک پہ آتی بس کو دیکھا۔

"میرا حال....." وہ سیاہ فام لڑکی کہہ رہی تھی۔ محمل بیگ کا اسٹریپ پکڑے کھڑی ہوئی اسے جلدی کالج پہنچنا تھا۔

"اور میرا مستقبل بھی مجھے کیا پیش آنے والا ہے' یہ کتاب سب بتا دیتی ہے۔"

"میں چلتی ہوں۔" وہ بس کی طرف دیکھتے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"اس میں تمہارا بھی ذکر ہے محمل!" وہ الٹے پیروں مڑی۔

"میرا ذکر؟ میرے بارے میں کیا لکھا ہے؟" وہ ششدر رہی تو رہ گئی تھی۔

"یہی کہ میں تمہیں یہ کتاب دے دوں۔ لیکن میں تو اسے تمہیں تب ہی دوں گی جب تم تھک کر خود مجھ سے مانگنے آؤ گی' کیونکہ اس میں تمہاری زندگی کی کہانی بھی ہے' جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے۔ سب لکھا ہے۔"

بس کا تیز ہارن پھر بجا تو وہ کچھ کہے بنا تیزی سے اس طرف لپکی۔ راڈ پکڑ کر اوپر چڑھتے اس نے پل بھر کو پلٹ کر دیکھا تھا۔

وہ سیاہ فام لڑکی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ پراسرار' معنی خیز مسکراہٹ محمل کو ایک دم اس سے بہت ڈر لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

کالج کے بعد وہ اپنی دوست نادیہ کے ابو کی اکیڈمی میں سیونتھ کلاس کے بچوں کو سائنس اور میتھس پڑھاتی تھی' گھر پہنچتے پہنچتے اسے روز ساڑھے تین ہو جاتے تھے۔

گیٹ عبور کر کے پورچ میں دیکھا تو تین گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ دل کراہ کر رہ گیا۔ گھر میں گاڑیوں کی قطار کے باوجود بسوں کے دھکے کھانے پہ مجبور تھی۔

"ہم چچاؤں کے رحم و کرم پہ پلنے والے یتیموں کے نصیب بھی کتنے یتیم ہوتے ہیں نا!" خود پہ ترس کھاتی وہ اندر آئی تھی۔

لاؤنج میں خاموش دوپہر اتری تھی۔ وہ سب کے سونے کا ٹائم تھا۔ آغا جان' اس کے سب سے بڑے چچا' اس وقت تک آفس سے لوٹ آئے تھے اور ان کی کچی نیند کے باعث پورے گھر کو حکم ہوتا تھا کہ پتہ بھی نہ کھڑکے ورنہ وہ ڈسٹرب ہوں گے۔ حکم بظاہر پورے گھر کو اور در حقیقت محمل اور مسرت کو سنایا جاتا تھا اور آخر میں جب آغا جان کی بیگم مائی مہتاب ان الفاظ کا اضافہ کرتیں۔

"اور مسرت! ذرا اپنی بیٹی کو سمجھا دینا کہ جب اور جہاں شہر پھرنے سے فارغ ہو جائے تو گھر آتے ہوئے مین ڈور آرام سے کھولا کرے' آغا صاحب کی نیند خراب ہوتی ہے۔ اب میں کچھ کہوں گی تو اسے برا لگے گا۔ گز بھر کی تو زبان ہے اس کی۔ نہ چھوٹے کا لحاظ' نہ بڑے کا ادب' استغفراللہ۔ ہماری بیٹیاں بھی کالج میں پڑھتی ہیں' ان کے تو انداز ایسے نہ نکلے جیسے محمل کے....." وغیرہ وغیرہ تو اسے تو آگ ہی لگ جاتی تھی۔ ہر روز

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل
قیمت 300 روپے

اے محبت تیری خاطر
نازیہ کنول نازی
قیمت 225 روپے

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

دروازہ کھولتے ہوئے یہی فقرہ سماعت میں گونجتا تو وہ چڑنے کے باوجود دروازہ آہستہ بند کرتی۔

کچن کی طرف آئی تو سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ناگواری سے ناک چڑھائے اس نے بیگ سلیب پہ رکھا اور ہاٹ پاٹ کی طرف بڑھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ نہ کھایا تھا' اور اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔

ہاٹ پاٹ کھولا تو وہ خالی تھا۔ رومال پہ روٹی کے چند ذرے بکھرے تھے۔ اس نے فریج کھولنا چاہا تو وہ لاکڈ تھا۔ مہتاب تائی اس کے آنے سے قبل فریج لاک کر دیتی تھیں۔ مسرت اس کے لیے کھانا بچا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی تھیں' مگر جب سے مہتاب تائی نے کھانے کی خود نگرانی شروع کی تھی' ہاٹ پاٹ ہر تیسرے دن خالی ہی ملتا تھا۔

تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے' لیکن پھر ضبط کرکے باہر نکلی اور آہستہ سے گیٹ عبور کرکے کالونی کے باہر نکڑ والے ہوٹل سے ایک نان اور ایک کباب لے آئی کہ اتنے ہی پیسے تھے۔

واپسی پہ وہ پھر سے پرانی محمل بن چکی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر دھڑام سے بند کیا۔ فرش پہ پڑی فٹ بال اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پہ ماری اور صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی نان کباب کا لفافہ کھولنے لگی۔

لمحے بھر بعد ہی آغا جان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور سنسناتی ہوئی تائی مہتاب باہر آئیں۔

"محمل!" وہ گرجیں تو اس نے آرام سے سر اٹھایا۔

"کباب کھائیں گی تائی اماں؟"

"شٹ اپ ہزار دفعہ کہا ہے کہ آرام سے دروازہ کھولا کرو مگر تم۔"

"آہستہ بولیں تائی اماں! اس وقت آغا جان سو رہے ہوتے ہیں' اٹھ جائیں گے۔" وہ نان پہ کباب رکھ کر پاؤں جھلاتی' بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔

"تم.... احسان فراموش.... تمہیں ذرا بھر بھی احساس ہے کہ آغا صاحب دن بھر کے تھکے...." مگر فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اپنا نان کباب اٹھائے اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔

تائی مہتاب تلملاتی کلستی رہ گئیں۔

اندر مسرت آوازوں پہ جاگ چکی تھیں۔

"کیا ہوا ہے محمل! بھابھی بیگم کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟"

"دماغ خراب ہے ان کا پیدائشی مسئلہ ہے' آپ کو نہیں پتہ؟" اس نے بے زاری سے نان کباب کا لفافہ بستر پہ رکھ دیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" ان کی نگاہ پھسل کر لفافے پہ گئی۔ "پھر باہر سے کھانا لائی ہو؟ فریج میں...." اور پھر خود ہی خاموش ہو گئیں۔

"آپ کے لیے لائی ہوں' آپ نے کچھ کھایا۔"

"میں کھا چکی ہوں' یہ تم کھاؤ' مجھے معلوم ہے تم نے کچھ نہیں کھایا۔" وہ تھکاوٹ سے مسکرائیں تو محمل نے لحہ بھر کو ماں کو دیکھا۔ سادہ جھکے ہوئے کاٹن کے جوڑے میں' سفید ہوئے بال اور جھریوں زدہ چہرے والی اس کی تھکی تھکی بے ضرر سی ماں جو واقعی اس عالی شان کوٹھی کی مالکن ہوتے ہوئے بھی ملازمہ لگتی تھی۔

"دل برا مت کیا کرو محمل! اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔"

"مجھے غصہ آتا ہے ان لوگوں پہ اماں!"

باہر تائی مہتاب کے بولنے کی آواز برابر آرہی تھی۔ وہ اب شور کرکے جانے کس کس کو بتا رہی تھیں۔

"ناشکری مت کرو بیٹا! انہوں نے رہنے کے لیے ہمیں چھت دی ہے' سہارا دیا ہے۔"

"احسان نہیں کیا' میرے باپ کا گھر ہے۔ اسے ابا نے ہمارے لیے بنوایا تھا' یہ بزنس' یہ فیکٹریاں یہ سب ابا نے خود بنایا تھا' سب کچھ ابا نے ہمارے نام کیا تھا۔"

"تمہارے ابا اب زندہ نہیں ہیں محمل! وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں۔" وہ جیسے تھک کر کہہ رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ پھر سر جھٹک کر لفافہ اٹھایا۔

نان سخت ہو گیا تھا اور کباب ٹھنڈا۔ وہ بے دلی سے لقمے توڑنے لگی۔

☼ ☼ ☼

یہ ٹھنڈا' بے لذت کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ہی سو پائی تھی کہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کمرے کے دروازے سے فٹ بال ٹکرایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

باہر دیواروں پہ فٹ بال مارنے کی آواز برابر آرہی تھی۔

کچی نیند ٹوٹی تھی۔ وہ برا سا منہ بنائے' جمائی روکتی اٹھی۔ سلیپر پہنے اور ہاتھوں سے بال لپیٹتے دروازہ کھولا۔

اس کا اور مسرت کا مشترکہ کمرہ دراصل کچن کے ساتھ ملحقہ اسٹور روم تھا۔ بہت چھوٹا' نہ بہت بڑا۔ عرصہ پہلے اس کاٹھ کباڑ سے خالی کروا کے ان دونوں کو ادھر منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ باتھ روم نہ تھا' اس لیے ان کو لاؤنج پار کرکے گیسٹ باتھ روم کی طرف جانا پڑتا تھا۔

باہر لاؤنج میں ناعمہ چاچی کے چھوٹے معاذ اور معیز فٹ بال ادھر ادھر مارتے پھر رہے تھے۔

"بیٹا تنگ نہیں کرتے، ہم لوگوں کو دیکھ کر کھیلا کرو' میں سو رہی تھی۔"

کچن کے کھلے دروازے پہ کھڑی' اندر کسی سے بات کرتی ناعمہ چچی فوراً" مڑیں۔

"اب میرے بچے کھیلیں بھی نا! تمہارا تو کام ہی سونا ہے' نہ دن دیکھنا نہ رات' ہر وقت بستر ہی توڑتی رہتی ہو۔"

"ہاں تو میرے باپ کے پیسے سے یہ بستر آئے تھے' توڑوں یا پھوڑوں' میری مرضی۔ ابا کی ڈیتھ سے پہلے اسد چاچا تو نا! بے روزگار تھے نا!" وہ بھی محمل تھی' سارے حساب فوراً" چکا کر بے نیازی سے باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ادھر ناعمہ چچی بڑبڑاتی رہ گئیں۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنی سکی بھورے بال دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اونچے کیے اور پونی باندھی۔ بہت اونچی سی بھوری یہ پونی ٹیل اس پہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ذرا بھی سر ہلاتی تو اونچی پونی ساتھ ہی گردن کے اوپر جھولتی۔

اس کی آنکھیں کانچ سی سنہری تھیں اور ہلکا سا کاجل بھی ان کو نکھار دیتا تھا۔ وہ بلاشبہ گھر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔

"اسی لیے تو جلتی ہیں یہ سب۔" اسے ہنسی آگئی۔ ایک نظر خود پہ ڈالی۔ جینز کے اوپر کھلا سا کرتا اور گردن کے گرد لپٹا دوپٹہ' مفلر کی طرح ایک پلو سامنے کو لٹکتا اور دوسرا کمر پہ گرتا وہ واقعی سب سے منفرد تھی۔

کچن میں تائی مہتاب نگٹس نکال کر مسرت کے سامنے رکھ رہی تھیں' جو بہت تابعداری سے ایک طرف چائے کا پانی چڑھا کر' دوسری طرف کڑاہی میں تیل گرم کر رہی تھیں۔ اس پہ نظر پڑی تو نگٹس رکھتے ہوئے ذرا لاپروائی سے گویا ہوئیں۔

"یہ بچوں کے لیے فرائی کرو مسرت! اب ہر کوئی تو باہر سے منہ مار کر نہیں آتا نا!"

"بجا فرمایا تائی اماں! یہاں تو لوگ گھر کے اندر ہی دوسروں کے مال پہ منہ مارتے ہیں۔" وہ اطمینان سے کہہ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرنے لگی۔

"زبان کو سنبھالو لڑکی! توبہ ہے' ہماری بیٹیاں تو کبھی ایسے ہمارے آگے نہ بولیں۔"

"آپ برا مت مانیں بھابھی بیگم! میں سمجھا دوں گی۔" گھبرا کر مسرت نے ایک ملتجی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ وہ کندھا اچکا کر کھڑے کھڑے پانی پینے لگی۔

"سمجھا دینا' بہتر ہو گا۔" اس پہ ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر تائی مہتاب باہر چلی گئیں۔ ناعمہ چچی پہلے ہی جا چکی تھیں۔ اب مسرت اور محمل ہی کچن میں رہ گئے تھے۔

"اب یقیناً" برتن بھی آپ کو ہی دھونے ہوں گے اماں!"

"دھو بھی دوں تو کیا ہے' ان کے احسان کم ہیں ہم پہ۔" وہ مصروف سی ایک ایک کرکے نگٹس کڑاہی میں ڈال رہی تھیں۔

محمل نے ایک گہری سانس لی اور آستینیں موڑ کر

www.pkdigest.com

سنک کی طرف متوجہ ہوئیں۔ انہیں علم تھا کہ اگر وہ انکار کرے گی تو مسرت کو ہی کرنا ہو گا اور ابھی تو انہوں نے رات کا کھانا بھی تیار کرنا تھا۔

"رہنے دو بیٹا! میں کر لوں گی۔"

"مجھے پتہ ہے آپ کر لیں گی مگر میں بھی ان لوگوں پہ ذرا احسان کرنا چاہتی ہوں۔" وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی تو مسرت ٹرالی بھر چکی تھیں۔

"محمل یہ باہر لے جاؤ' سب لان میں ہوں گے۔"

وہ بنا احتجاج ٹرالی گھسیٹنے لگی۔ لان میں روز شام کی طرح کرسیاں لگی تھیں۔

آغا کریم اخبار کھولے دیکھ رہے تھے' ساتھ ہی مہتاب تائی اور ناعمہ چچی باتیں کر رہی تھیں۔ ناعمہ چچی سب سے چھوٹے چچا اسد کی بیوی تھیں' جو قریب ہی بیٹھے غفران چچا سے کچھ کہہ رہے تھے۔ غفران چچا اور محمل کے ابا' آغا ابراہیم جڑواں تھے۔ آغا کریم ان سے بڑے اور اسد چچا چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

غفران چچا کی بیگم فضہ چچی برآمدے میں کھڑی' اپنی بیٹی کو آواز دے رہی تھیں۔ اسے ٹرالی لے کر آتا دیکھ کر مسکرائیں۔

"ارے محمل جان! تم اکیلی لگی رہیں' ندا یا سامیہ کو کہہ دیا ہوتا' تمہاری ہیلپ کروا دیتیں۔"

فضہ چچی' ناعمہ اور مہتاب کی طرح زبان کی کڑوی نہ تھیں' بلکہ اتنی میٹھی تھیں کہ جب یہ مٹھاس اپنے لبوں سے دوسرے کے حلق میں انڈیلتیں تو وہاں کانٹے اگ آتے تھے۔

"اٹس اوکے۔" وہ بھی بس مسکرا کر ٹرالی آگے لے گئی۔ اب کیا کہتی کہ ندا اور سامیہ نے پہلے کون سے کام کیے تھے جو اب کرتیں۔ اگر وہ انہیں بلاتی تو وہ فوراً" چلی آتیں' ایک دو چیزیں پکڑاتیں' چولہا جلاتیں' باتیں بگھارتیں' اور پھر آہستہ سے کھسک جاتیں۔ اس کے بعد لان میں فضہ چچی سب کو ایک ایک چیز "یہ چکھیں' میری سامیہ نے بنائی ہیں۔" اور "میری ندا کے ہاتھ میں تو بہت ذائقہ ہے۔" کہہ کر پیش کرتیں۔

اور مہتاب تائی ان کی تعریف تو نہ کر سکتیں' البتہ محمل کو کاہلی کے وہ طعنے ملتے کہ اس سارے فضیحتے سے بچنے کو محمل نے کبھی ان دونوں کو بلانے کی غلطی نہ کی تھی۔ مگر فضہ چچی کی یہ میٹھی زبان ہی تھی کہ نہ وہ کبھی ان کو پلٹ کر جواب دے سکی' نہ ہی کچھ جتا سکی تھی۔ وہ موقع ہی نہ دیتی تھیں۔

"لاؤ' لاؤ' جلدی کرو' دونوں ماں بیٹی لگتی ہیں پھر بھی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔"

"تائی! آپ کوئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ کم از کم آپ کو ہم ماں بیٹی پہ چلانا تو نہیں پڑے گا۔" وہ تیزی سے کہہ کر ٹرالی وہیں چھوڑے واپس چلی گئی۔ سب باتیں چھوڑ کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔

"احسان کرنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" تائی نے ٹرالی اپنی طرف کھینچی۔ آغا کریم نگاہیں چرا کر پھر سے اخبار میں گم ہو چکے تھے۔

وہ واپس کچن کی طرف آئی تو فواد تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آ رہا تھا۔

"چائے لگ گئی؟" آخری سیڑھی اترتے مصروف سے انداز میں کہتے وہ کلائی پہ گھڑی باندھ رہا تھا۔

"اسنیکس لے گئی ہوں' چائے لا رہی ہوں۔" وہ زیادہ غور سے سنے بغیر باہر نکل گیا۔ محمل نے رک کر لمحہ بھر کو اسے جاتے دیکھا۔

وہ مہتاب تائی کا بڑا بیٹا تھا۔ حنان' وسیم اس کے بعد تھے اور سدرہ اور مہرین سب سے چھوٹی تھیں۔ فواد آغا جان کے آفس جاتا تھا' اونچا لمبا' خوش شکل تو تھا ہی مگر ڈریسنگ اور دولت کی چمک دمک سے مزید پرکشش اور ہینڈسم لگتا تھا۔ خاندان کا سب سے پاپولر لڑکا' جس پہ ہر لڑکی کا دل اور لڑکی کی ماں کی نظر تھی۔ ندا اور سامیہ ہوں' یا ناعمہ چچی کی مغرور' نخریلی آرزو' سب فواد کے آگے پیچھے پھرتیں۔ رضیہ پھپھو تو اپنی اکلوتی فائقہ کے لیے کبھی فواد کو ڈنر پہ بلا رہی ہیں تو کبھی فائقہ انڈوں کا حلوہ بنا کر اس کے لیے لا رہی ہے۔ فواد میٹھا شوق سے کھاتا تھا سو یہ لڑکیاں ماؤں کے بنائے کو اپنا کہہ کر بہت شوق سے پیش کرتی تھیں۔ مگر وہ بھی سدا کا بے نیاز

تھا۔ اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ بے نیازی اور اتراہٹ کم نہ ہوتی تھی۔ اور وہی تو تھا جس پہ مہتاب تائی گردن اونچی کرکے پھرتی تھیں' ورنہ حنان تو بمشکل ایف اے کر کے وہیں ایسا گیا کہ نہ تو پھر خط پتر لکھا' نہ ہی پھوٹی کوڑی گھر بھیجی۔ تعلیمی ریکارڈ اس کا اتنا برا تھا کہ تائی کڑھتی رہتی تھیں۔ مگر یہ وسیم تھا جس نے تائی اور آغا کریم کا ہر جگہ سر شرم سے جھکایا تھا۔

نالائق' نکما' ایف اے میں دو بار فیل ہو کر پڑھائی چھوڑ کر آوارہ گردی میں مشغول' سگریٹ کا عادی۔۔۔ اور کہنے والے تو دبے لفظوں کہہ بھی دیتے تھے کہ ان گلیوں کا بھی پرانا شناسا ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔

وہ سر جھٹک کر کچن میں آئی تو مسرت جلدی جلدی کپڑے سے سلیب صاف کر رہی تھیں۔ ان کی پیالی میں آدھا کپ چائے پڑی تھی۔ ان سے کچھ کہنا بے کار تھا' اس نے ٹرے اٹھائی۔

لان میں فضہ چچی کے ساتھ والی کرسی پہ فواد بیٹھا تھا۔ وہ بہت توجہ سے کچھ بتا رہی تھیں اور وہ لاپروائی سے سن رہا تھا۔

محمل اس کے کپ میں چائے انڈیل ہی رہی تھی کہ وہ کہہ اٹھا۔

"میرے کپ میں چینی مت ڈالنا۔"

"نہیں ڈالی۔" وہ پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے اٹھا کر دے رہی تھی۔

"ارے بیٹا! چینی کیوں نہیں پی رہے؟" فضہ چچی بہت زیادہ فکر مند ہوئیں۔

"یونہی کچھ ویٹ لوز کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اتنے تو اسمارٹ ہو اور کیا لوز کرو گے؟" آرزو اسی پل سامنے والی کرسی پہ آبیٹھی تھی۔ "اور میری چائے میں آدھا چمچ چینی' محمل!"

وہ فواد کے بالکل سامنے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھی۔ چست سا سفید ٹراؤزر اور اوپر قدرے کھلے گلے والی ریڈ شارٹ شرٹ۔ کندھوں تک اسٹیپ میں کٹے بال' اور گندمی عام سا چہرہ' جس کو بہت محنت سے اس نے قدرے پرکشش بنایا تھا مگر تیکھی کمان سی آئی برو اس کو بہت شاطر دکھاتی تھیں۔

"فٹ تو رکھنا پڑتا ہے خود کو۔ محمل! یہ کباب پکڑانا۔" فواد نے ہاتھ بڑھا کر کہا تو محمل نے فوراً" کباب کی پلیٹ اٹھا کر دینی چاہی اور دیتے دیتے اس کی انگلیاں فواد کے ہاتھوں سے مس ہوئیں۔ وہ چونکا' تو گھبرا کر محمل نے پلیٹ چھوڑ دی۔ وہ گر جاتی اگر وہ تھام نہ لیتا۔ محمل نے فوراً" ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ پلیٹ پکڑے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چونک کر' جیسے کچھ بھول کر جیسے اسے پہلی دفعہ دیکھا ہو۔ بس لمحے بھر کا عمل تھا۔ اس نے رخ پھیر لیا تو وہ بھی دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

فضہ چچی اور آرزو کسی اور طرف متوجہ تھیں۔ کسی نے بھی وہ لمحہ محسوس نہ کیا تھا جو آ کر گزر بھی چکا تھا اور فواد' وہ وقفے وقفے سے اس پہ ایک نگاہ ڈالتا تھا' جو پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ ذرا سا سر جھکاتی تو بھوری پونی ٹیل اور اونچی لگتی۔ سر اٹھاتی تو پونی ساتھ ہی جھولتی اور وہ کانچ سی سنہری آنکھیں' ان ساری لڑکیوں کے پاس اس جیسا کچھ بھی تو نہ تھا۔

وہ چائے کے سپ لیتا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شام میں وہ کمرے میں بند پڑھتی رہی' پھر مغرب ڈھل گئی تو کچن میں آ گئی جہاں مسرت چھری سے کٹنگ بورڈ پہ پیاز ٹماٹر کاٹتی رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کچن میں اور کوئی نہ تھا اور سارا پھیلاوا یقیناً انہی کو سمیٹنا تھا۔

"اماں! یہ تائی اماں یا چاچیوں میں سے کوئی کھانے کی ذمہ داری کیوں نہیں لیتا؟ ہمیشہ آپ ہی کیوں بناتی ہیں؟" وہ سب دیکھ کر بول گئی تھی۔

"تو ہمارا گھر ہے بیٹا! میں یہ کر دوں گی تو کیا ہو جائے

www.pkdigest.com

گا؟"
"آپ تھکتی نہیں ہیں ان کی خدمت کرتے کرتے؟"
"نہیں، تھکن کیسی؟" وہ اب جھک کر چولہا جلا رہی تھیں۔
"اچھا تائی، میں کیا بنانا ہے؟ میں کچھ کرا دوں۔"
"بریانی تو بنانی ہی ہے، باقی مہتاب بھابھی سے پوچھتی ہوں۔" اور اسی پل مہتاب تائی نے کچن کے دروازے سے جھانکا۔
"کھانا بنانا اب شروع بھی کر دو مسرت! روز دیر ہو جاتی ہے۔"
مسرت چولہا جلاتے فوراً پلٹی۔ "جی بھابھی! بس شروع کر رہی ہوں۔" "آپ جائیں، بریانی کا وسیم بیٹا کہہ گیا تھا، ساتھ کیا بناؤں؟" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ان کے سامنے جا کر پوچھنے لگیں۔
"ساتھ ہی مٹر قیمہ بنا دو، کباب بھی تل لینا، اور دوپہر والا اروی گوشت بھی گرم کر لینا، آلو کا ایک سالن بھی بنا لو، سلاد رائتہ بھی نہ بھولنا۔"
"جی اور میٹھے میں؟"
"دیکھ لو۔" وہ بے نیازی و نخوت سے گویا ہوئیں۔
"پڈنگ بنا لو یا ڈبل روٹی کی کھیر۔" اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گئیں۔
"ایک ٹائم پہ دیکھیے، بھر بھر کے آپ تین تین، چار چار ڈشز بناتی ہیں، مگر رات کے لیے کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔" وہ کلستی بھی تھی اور حیران بھی ہوتی۔
"تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ہمارا مال حرام طریقے سے کھاتے ہیں پھر حرام میں کہاں برکت ہوتی ہے بیٹا؟" ان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی اور کہہ کر وہ پھر سے کٹنگ بورڈ پہ جھک گئیں۔
وہ بالکل چپ سی ہو گئی۔ واقعی کیوں یہاں دیگچے کے دیگچے ایک وقت کے کھانے پہ ختم ہو جاتے تھے، اس نے تو کبھی اس پہلو پہ سوچا ہی نہ تھا اور اماں بھی ان کے ہر ظلم و زیادتی سے آگاہ تھیں، پھر بھی چپ چاپ سہے جاتی تھیں۔

"ہمارا مال!" دل میں ایک کانٹا سا چبھا۔ گیارہ برس قبل ابا کی ڈیتھ سے پہلے یہ فیکٹریاں، یہ جائیدادیں، بینک بیلنس، یہ امپورٹ ایکسپورٹ کی پوری بزنس ایمپائر، سب ابا کا تھا اور یہ آغا کریم، یہ راجہ بازار میں کپڑے کی ایک دکان چلاتے تھے۔ غفران چچا ایک معمولی سی کمپنی میں انجینئر بھرتی تھے اور آرزو کے والد اسد چچا، وہ تو وسیم کی طرح تھے، بے روزگار، نکھٹو اور نالائق پھر کیسے ابا کے جہلم کے بعد وہ اپنے اپنے کرائے کے گھر خالی کر کے باری باری ادھر آن بسے۔
آغا ابراہیم کا گھر "آغا ہاؤس" تین منزلہ عالی شان محل نما کوٹھی تھی، نچلی منزل پہ آغا جان کی فیملی نے بسیرا جمایا، بالائی پہ فضہ چچی نے اور سب سے اوپری منزل پہ اسد چچا کی فیملی کا قبضہ تھا۔ وہ چند دن کے لیے آئے تھے، مگر پھر وہ چند دن بھی ختم نہ ہوئے۔ بات بے بات جگہ کی کمی کا رونا رویا جاتا، یہاں تک کہ ماسٹر بیڈ روم سے مسرت اور محمل کو نکال کر اسٹور میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ اس وقت چھوٹی تھی، شاید نو دس برس کی، مگر جیسے جیسے شعور کی منزلیں پار کیں، تو اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا۔ اب تو عرصہ ہوا اس نے دبنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر کے مردوں کے سامنے تو خیر وہ زبان بند ہی رکھتی مگر تائی، چچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی اور کزنز تو کسی کھاتے میں نہ تھیں۔ لیکن اس زبان چلانے کے باعث اس پہ سختیاں بڑھتی گئیں۔ وہ تو فقط زبان سے جواب دے سکتی تھی مگر تائی اماں وغیرہ دوسرے حربے بھی استعمال کرتے۔ جب سے اس نے اپنے ذاتی جیب خرچ کے لیے ایک دوست کے والد کی اکیڈمی میں ٹیوشنز دینی شروع کی تھیں اس کو گھر واپسی میں دیر ہو جاتی اور نتیجتاً "یا قصداً" اس کے لیے دوپہر کا کھانا نہ رکھا جاتا۔ ایک دفعہ اماں ایک روٹی اور سالن کی پلیٹ بچا کر کمرے میں لے گئیں، مگر تائی مہتاب کی نگاہ پڑ گئی اور گھر میں بھونچال ہی آ گیا۔ وہ وہ باتیں سنائیں مسرت کو ایسے ایسے "چوری" کے الزامات و القابات سے نوازا کہ مسرت پھر کبھی اس کے لیے کچھ نہ بچا سکیں۔ شاید تائی یہ سب اس لیے کرتی تھیں

تاکہ وہ ٹیوشن چھوڑ دے اور جو پندرہ سو روپیہ اس ٹیوشن سے ملتا ہے، وہ اسے نہ ملا کرے۔
اور ٹیوشن کی اجازت بھی تو کتنی منتوں سے اسے ملی تھی۔ جب سب کے سامنے ہی اس نے پوچھ لیا تو شروع میں تو سب ہی اکھڑ گئے لیکن اس کا فقرہ کہ "ٹھیک ہے، آج کیم تاریخ ہے، لائیے آغا جان! میری پاکٹ منی نکالیے۔ گو کہ وہ اتنی ہی ہو جتنی سدرہ اور مہرین باجی کو ملتی ہے، کیونکہ اگر مجھے پاکٹ منی نہ ملی تو میں سدرہ اور مہرین کے ہر اچھے اور مہنگے جوڑے کو آگ لگا دوں گی۔" اور وہ پہلی دفعہ وہ اتنی جنونی ہو کر بولی تھی کہ مزید دس منٹ کی بحث کے بعد اسے اجازت مل ہی گئی تھی اور ابھی جو اماں نے یاد دلایا کہ وہ لوگ ان کا مال کھاتے ہیں، تو وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ کچھ ایسا ضرور ہے کہ آغا جان اس بیس سالہ لڑکی سے خائف ہیں۔ اگر کبھی جو وہ اپنا حصہ مانگنے کھڑی ہو جائے تو... تو کیا ان کا کیس اتنا کمزور ہے کہ وہ عدالت کا فیصلہ اپنے حق میں نہ کرا سکیں گے اور انہیں ہر چیز محمل کے حوالے کرنی پڑے گی؟ اور زیادہ وہ بیس سالہ لڑکی اتنی باہمت ہے کہ وہ ان سب کو، ان شطرنج کے اتنے ماہر اور چالباز کھلاڑیوں کو اپنی انگلیوں پہ نچا سکے؟
جواب ایک زوردار "نہیں" تھا۔ وہ کبھی بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن... اگر کبھی اس کے ہاتھ ان کی کوئی کمزوری لگ جائے، کوئی دکھتی رگ جسے دبا کر وہ اپنے سارے حساب چکتا کر سکے تو کتنا مزا آئے... مگر ایسی کیا دکھتی رگ ہو سکتی تھی ان کی؟
"بات سنو!" مہتاب تائی نے پھر سے کچن میں جھانکا تو وہ اپنے خیالات کی بھٹکتی رو سے چونکی۔
"فواد کہہ رہا ہے میٹھے میں چاکلیٹ سوفلے ہونا چاہیے، یوں کرو، ابھی ساتھ ساتھ شروع کر دو اور ہاں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بہت عرصے بعد میرے بیٹے نے کسی خاص میٹھے کی فرمائش کی ہے۔" بہت مان، فخر اور تنبیہہ بھرے انداز میں کہہ کر وہ پلٹ گئیں اور محمل کے ذہن کی بھٹکتی رو اسی ایک نکتے پہ منجمد ہو گئی۔

"میرا بیٹا... میرا بیٹا!"
تو آغا جان اور مہتاب تائی کی کمزوری، دکھتی رگ اور تڑپ کا پتہ سب کچھ فواد ہی تھا۔
اور اگر... اگر جو یہ دکھتی رگ اس کی انگلی تلے آ جائے... تو؟
"محمل! یہ آلو کاٹ دو۔ میرا خیال ہے آلو انڈے بھی بنا لیتے ہیں، سب شوق سے کھاتے ہیں۔"
"ہوں۔" وہ سوچ میں گم ان کے قریب آئی اور آلو چھیلنے لگی۔
مسرت نے بریانی کا مسالا بنایا، قیمہ مٹر بھی پکنے کے قریب تھا۔ محمل نے شامی کباب تلے، پھر آلو انڈے کا سالن، سلاد رائتہ، سب بنا چکی تو مسرت روٹی پکانے لگیں۔
"فواد کے لیے سوفلے بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا نا؟"
"جی اماں! آپ فکر ہی نہ کریں۔" وہ مسکرا کر بولی۔
اسے شام لان میں فواد کا خود کو چونک کر دیکھنا اور پھر کو مبہوت ہونا یاد آیا تھا۔ جو غلطی خاندان کی ساری لڑکیاں کرتی تھیں، وہ محمل کو نہیں دہرانی تھی۔ اسے اپنی اہمیت نہیں گنوانی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔
ذرا دیر کو وہ ہاتھ روک کر مسرت سے نظر بچا کر باہر لاؤنج میں گئی، جہاں تمام لڑکیاں اس وقت بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔
آرزو اسی چست لباس میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین بھی قریب ہی تھیں۔ سدرہ چوبیس برس کی بہت عام شکل کی لڑکی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے خوب سارا میک اپ اور جیولری گھر میں بھی زیب تن کیے رہتی۔ سیاہ بالوں میں گولڈن اسٹریکنگ بھی کرا رکھی تھی، پھر بھی زیادہ فرق نہ پڑا تھا۔
تئیس سالہ مہرین کا البتہ قد چھوٹا تھا، کافی چھوٹا اور بال بے حد گھنگھریالے۔ وہ سارا سارا دن اپنے بال سیدھے کرنے یا قد لمبا کرنے کے ٹوٹکے آزماتی رہتی۔ نقش اس کے سدرہ کی نسبت بہتر تھے۔
فضہ چچی کی ندا اور سامیہ میں سے ندا بڑی تھی اور

www.pkdigest.com

سامیہ چھوٹی مگر سامیہ اپنے بے حد لمبے قد کے باعث
بڑی لگتی تھی۔ مہرین اس سے اسی باعث خار کھاتی اور

بلند بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
"مگر..." فواد نے الجھ کر ہاں کو دیکھا۔ "میں نے کہا

سر جھکائے بیٹھی رہی۔ فواد کے اٹھنے کے بعد یقیناً" تائی
نے بہت سنائی تھیں، مگر فواد کے الفاظ کا اثر زائل
نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کی گھر میں ایک مضبوط
حیثیت تھی

"ہے کوئی۔" وہ ذرا سا مسکرائی، موٹی آنکھوں کی
چمک بڑھ گئی۔
"آپ کو اچھا لگتا

کہا تھا کہ میں تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرادوں مگر میں نے سوچا کہ میں یہ تمہارے حوالے ہی کردوں، تم بہتر فیصلہ کرسکتی ہو۔"

انہوں نے ایک پھولا ہوا لفافہ ڈبے کے اوپر رکھا۔ محمل نے آہستہ سے لفافہ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اندر ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے۔ شاید اماں نے اس کے جہیز کے لیے رکھے تھے۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس نے لفافہ ایک طرف رکھا اور چابی سے کاسنی ڈبے کا تالا کھولا۔

اندر کچھ زیورات تھے۔ خالص سونے کے جڑاؤ زیورات، اس نے ڈبہ بند کردیا۔ معلوم نہیں اماں نے کب سے سنبھال رکھے تھے۔

"وسیم سمیت تمام لوگ اس وصیت کے وقت موجود تھے، تم سب سے پوچھ سکتی ہو، میں نے تمہارا حق پورا ادا کردیا ہے یا نہیں۔"

اس نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں، سامنے صوفوں اور کرسیوں پہ بیٹھے تمام نفوس کے چہرے مطمئن تھے، مطمئن اور بے نیاز۔

"چیزیں تو آپ نے ادا کردی ہیں آغا بھائی اگر مسرت کی وصیت؟" دفعتاً" فضہ چچی نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"اوہو فضہ! ابھی اس کی ماں کو گزرے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" تائی مہتاب نے نگاہوں سے تنبیہہ کی۔

"مگر بھائی! مسرت نے کہا تھا کہ جلد از جلد۔"

"رہنے دو فضہ! ہم اس کا فیصلہ محمل پہ چھوڑ چکے ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔"

"مگر ایٹ لیسٹ اسے بتا تو دیں۔"

"ابھی اس کا غم تو ہلکا ہونے دو، پھر۔"

ان کی دبی دبی سرگوشیاں اسے بے چین کر گئیں۔

"تائی اماں! کیا بات ہے؟ اماں نے کچھ اور بھی کہا تھا؟"

سب ایک دم خاموش سے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"محمل! میں تمہیں کچھ دن تک بتادوں گی، ابھی اس قصے کو چھوڑو۔"

"پلیز تائی اماں! مجھے بتائیں۔"

"مگر تمہارا غم ابھی۔"

"میں ٹھیک ہوں، مجھے بتائیں۔" اس نے بے چینی سے بات کاٹی۔

تائی مہتاب نے ایک نظر سب کو دیکھا، پھر قدرے ہچکچا کر گویا ہوئیں۔

"بات یہ ہے کہ مسرت نے مرنے سے پہلے وسیم کو بلوا کر ان سب کے سامنے تمہارے آغا جان سے کہا تھا کہ اگر وہ بچ نہ سکے تو جتنی جلدی ہو ہم محمل کو وسیم کی دلہن بنا کر سہارا دے دیں، اس کو بے آسرا نہ چھوڑیں اور تمہارے آغا جان نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔"

وہ اپنی جگہ سن سی ہوگئی۔ "زمین جیسے قدموں تلے سے سرکنے لگی تھی اور آسمان سر سے ہٹنے لگا تھا۔

"اماں نے یہ سب کہا؟"

"ہاں، یہ سب لوگ جو یہاں ہیں اس بات کے گواہ ہیں، تم کسی سے بھی پوچھ لو۔"

وہ ایک دم بالکل چپ ہی ہوگئی۔ عجیب سی بات تھی، اسے یقین نہ آرہا تھا۔

"لیکن محمل! ہم نے یہ فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے، تم چاہو تو یہ شادی کرو، چاہو تو نہ کرو، ہم نے تمہیں اس لیے آگاہ کردیا کہ یہ تمہاری ماں کی آخری خواہش تھی۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس کی بات رکھتی ہو یا نہیں۔ ہم میں سے کوئی تم پہ زور نہیں ڈالے گا۔"

وہ سر جھکائے کاسنی ڈبے کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔

مگر یہ ڈبہ اور لفافہ ثبوت تھا کہ یہ وصیت واقعی اس کی ماں نے کی تھی۔

"اگر تمہیں منظور ہے تو ہم اگلے جمعے کو نکاح رکھ لیتے ہیں کہ مسرت کی خواہش تھی یہ کام جلد از جلد کیا جائے، اگر نہیں تو کوئی بات نہیں، تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔" تائی مہتاب اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

اس نے ہولے سے سر اٹھایا۔ سنہری آنکھیں پھر

سے بھیگ چکی تھیں۔ کمرے میں موجود تمام نفوس دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھوں گی۔ آپ جب کہیں گی، میں شادی کے لیے تیار ہوں۔"

پھر وہ رکی نہیں، ڈبہ اور لفافہ اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں کرسی پہ بیٹھی تھی، ہاتھ میں صبح و شام کی دعاؤں اور اذکار کی کتاب تھی اور وہ منہمک سی پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔

"ہم نے صبح کی فطرت اسلام پہ

اور کلمہ اخلاص پہ

اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پہ

اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پہ

جو یکسو مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

"محمل۔۔۔!" کسی نے زور سے کچن کا دروازہ کھولا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامیہ عجلت میں اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم سے کوئی ملنے آیا ہے، ڈرائنگ روم میں ہے، جاؤ مل لو۔"

"کون ہے؟"

"وہی پولیس والا!" وہ کہہ کر پلٹ گئی۔

"ہمایوں آیا ہے؟" وہ کتنی ہی دیر کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی، پھر آہستہ سے اسے بند کیا، سلیب پہ رکھا، لباس کی شکنیں درست کیں اور سیاہ دوپٹہ ٹھیک سے سر پہ لے کر باہر آگئی۔

ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آرہی تھی جیسے دو لوگ گفتگو میں مشغول ہوں۔ یہ ہمایوں سے کون باتیں کررہا ہے؟ وہ الجھتی ہوئی اندر آئی، ڈرائنگ روم اور ڈائننگ ہال کے درمیان سفید جالی دار پردہ تھا۔ وہ پردے کے پیچھے ذرا دیر کو رکی۔

سامنے بڑے صوفے پہ ہمایوں بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل مقابل سنگل صوفے پہ آرزو بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے، آدھی پنڈلی تک ٹراؤزر پہنے وہ اپنے مخصوص بے نیاز حلیے میں تھی، کٹے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ ہنس ہنس کر ہمایوں سے کچھ کہہ رہی تھی۔

جانے کیوں اسے یہ اچھا نہ لگا۔ اس نے ہاتھ سے پردہ سمیٹا اور اندر قدم رکھا۔

وہ جیسے اسے دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رکا اور پھر بے اختیار کھڑا ہوگیا۔ بلیو شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح بہت شان دار لگ رہا تھا۔ آغا جان اسے پسند نہیں کرتے تھے، مگر پھر بھی اسے اندر آنے دیے دیا گیا۔ شاید اس لیے کہ اب وہ ان کی بہو بننے والی تھی اور اس کو وہ ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ آہستہ سے کہہ کر سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ آرزو کے چہرے پہ ذرا سی ناگواری ابھری، جسے ہمایوں نے نہیں دیکھا تھا، وہ پوری طرح محمل کی طرف متوجہ تھا۔

"مجھے مسز ابراہیم کی ڈیتھ کا پتا بہت دیر سے چلا، میں کراچی گیا ہوا تھا، آج ہی آیا ہوں، فرشتے نے جیسے ہی بتایا میں آگیا، آئی ایم ویری سوری محمل!" واپس صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ بہت تاسف سے کہہ رہا تھا۔

محمل نے جواب دینے سے پہلے ایک نظر آرزو کو دیکھا۔

"آرزو باجی! آپ جاسکتی ہیں، اب میں آگئی ہوں۔"

"ہاں شیور۔" آرزو اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مگر جاتے ہوئے ان کو شادی کا کارڈ دے دینا۔" استہزائیہ مسکرا کر وہ گویا جتا گئی تھی۔ محمل کے سینے میں ہوک سی اٹھی۔

"کس کی شادی؟" وہ چونکا تھا۔

"محمل کی شادی، وسیم کے ساتھ، آپ کو نہیں پتا اے ایس پی صاحب؟ اسی فرائیڈے ان کا نکاح ہے، آپ ضرور آیئے گا، میں آپ کا کارڈ نکلوا دیتی ہوں، ٹھہریے!" وہ خوش دلی سے کہتی باہر نکل گئی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔
"یہ کیا کہہ رہی تھی؟" وہ بولا تو اس کی آواز میں حیرت تھی، بے پناہ حیرت۔
"ٹھیک کہہ رہی تھی۔" وہ سر جھکائے ناخن کھرچتی رہی۔
"مگر کیوں محمل؟"
"آپ غالباً تعزیت کے لیے آئے تھے۔"
"پہلے میری بات کا جواب دو، تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟"
"میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔" اس نے تلملا کر سر اٹھایا۔ "یہ میری ماں کی آخری خواہش تھی، مرتے وقت انہوں نے یہ ہی وصیت کی تھی۔"
"تمہیں کیسے پتا؟ تم تو ان کی ڈیتھ کے وقت مدرسے میں تھیں۔"
"ہاں، مگر انہوں نے آغا جان سے کہا تھا، سب لوگ وہاں موجود تھے، سب گواہ ہیں۔"
"تم!" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ کیا کر ڈالے۔ "تم انتہائی بے وقوف اور احمق ہو۔"
"میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھنا چاہتی ہوں، اس میں کیا حماقت ہے؟" وہ چڑ گئی۔
"نادان لڑکی! تمہیں یہ لوگ بے وقوف بنا رہے ہیں، استحصال کر رہے ہیں۔"
"کرنے دیں، آپ کو کیا ہے؟" وہ پیر پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ میرے کون ہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"
"میں جو بھی ہوں مگر تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا، اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ کبھی یہ ہی بات اس نے بہت اکھڑ لہجے میں بھی کہی تھی۔ جب وہ مدرسے کے باہر اسے لینے آیا تھا، اس رات کی صبح جو اس کی زندگی اجاڑ گئی تھی۔
"اگر آپ کے دل میں میری ماں کا ذرا سا بھی احترام ہے تو مجھے وہ کرنے دیں جو میری ماں چاہتی تھی۔ ماں، باپ کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔ اسی میں کوئی بہتری ہو گی، آپ جا سکتے ہیں۔" وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔
اسی پل پردے ہٹا کر آرزو نمودار ہوئی۔
"آپ کا کارڈ، آئیے گا ضرور۔" اس نے مسکرا کر کارڈ ہمایوں کی طرف بڑھایا۔ ہمایوں نے ایک قہر آلود نظر کارڈ پہ ڈالی، اور دوسری محمل پہ، پھر لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔
"تو پرابلم۔" آرزو شانے اچکا کر کارڈ لیے واپس مڑ گئی۔
"اماں!" وہ کراہ کر صوفے پہ گر سی گئی۔ یہ اماں اسے کس منجھدار میں چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ کیوں کیا انہوں نے یہ فیصلہ؟ کیوں اماں؟" وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے سوچتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

سارے گھر میں دبا دبا سا شادی کا شور اٹھ چکا تھا، گو کہ ابھی صرف نکاح تھا، مگر مہتاب تائی بھرپور تیاریاں کر رہی تھیں۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فواد جلد ہی واپس گھر آ رہا تھا۔ اس خبر سے محمل پہ تو کوئی اثر نہ ہوا، البتہ تائی اماں اپنی اندرونی خوشی چھپائے سب کچھ محمل پہ ڈال گئی تھیں۔
"سوچ رہے ہیں تھوڑا سا گھما پھری والا فنکشن رکھ لیں، تاکہ محمل کا دل بہل جائے، ورنہ سچ پوچھو تو مسرت کے جانے کے بعد سے وہ بہت بجھ سی گئی ہے۔ اب ہمارا دل تو نہیں چاہتا کہ شور ہنگامہ ہو، مگر بس محمل اچھا محسوس کرے، اس لیے۔"
وہ کسی نہ کسی کو ہر وقت فون پہ وضاحتیں دے رہی ہوتی تھیں۔
محمل چپ چاپ کچن میں کام نمٹاتی رہتی، جیسے وہ خاموش ماتم کر رہی تھی، نمازیں، تسبیحات، دعائیں، وہ سب کر رہی تھی، ہاں مدرسے وہ ابھی نہیں جا رہی تھی۔ مسجد جا کر سکون ملتا تھا اور فی الحال وہ سکون نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف اور صرف ماتم چاہتی تھی۔ مسرت کا، یا شاید اپنا، وہ نہیں جانتی تھی۔

فون کی گھنٹی بجی، تو وہ جو رومال سے میز صاف کر رہی تھی، آہستہ سے رومال چھوڑ کر اٹھی۔
اسٹینڈ پہ رکھا فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی قریب آئی اور ریسیور اٹھایا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام، محمل؟" نسوانی آواز ریسیور میں گونجی، وہ لمحے بھر میں ہی پہچان گئی۔
"فرشتے؟ کیسی ہیں آپ؟"
"میں ٹھیک ہوں۔ ہمایوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم۔" فرشتے قدرے پریشانی سے کہہ ہی رہی تھی کہ اس نے تیزی سے بات کاٹی۔
"ہمایوں ہر بات آپ کو کیوں جا کر بتاتے ہیں؟ ان سے کہیں ایسا مت کیا کریں۔"
"مگر محمل... تم اس طرح کیسے؟"
"آپ لوگ مجھے احمق کیوں سمجھتے ہیں؟ کیوں میرے لیے پریشان ہو رہے ہیں؟ میری ماں میرے لیے کچھ غلط نہیں سوچ سکتی، پلیز مجھے میری زندگی کے فیصلے خود کرنے دیں۔"
"محمل! اب میں تمہیں کیا کہوں! اچھا ٹھیک ہے جو کرنا، سوچ سمجھ کے کرنا، اوکے، چلو اب ہمایوں سے بات کرو۔"
"ارے نہیں۔" وہ روکتی رہ گئی، مگر فرشتے نے فون اسے پکڑا دیا تھا۔
"اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے اور تمہارے وہ فیری ٹیل سسرال والے اجازت دیں تو کیا میں اور فرشتے تمہاری شادی کے فنکشن میں آ سکتے ہیں؟"
"اونہوں ہمایوں!" پیچھے سے فرشتے کی تنبیہی آواز ابھری۔
"کیوں محمل! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ طنزیہ بولا تھا۔
"ہاں شیور کیوں نہیں۔ جمعہ کو رات آٹھ بجے فنکشن ہے۔ ضرور آئیے گا، اللہ حافظ۔"
اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔ غصہ اتنا ابل رہا تھا کہ فرشتے سے بھی بات کرنے کو جی نہیں چاہا تھا۔
فون کی گھنٹی پھر سے بجنے لگی، مگر وہ سر جھٹک کر میز کی طرف بڑھ گئی جہاں جھاڑ پونچھ کا رومال اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیوٹیشن نے کام دار دوپٹہ اس کے سر پہ رکھا، اور پھر اسے ایک ہاتھ سے پکڑے، وہ جھک کر ڈریسنگ ٹیبل سے پنیں اٹھانے لگی۔ محمل بت بنی اسٹول پہ بیٹھی سامنے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی، بیوٹیشن اس کے پیچھے کھڑی اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔
وہ کام دار شلوار قمیص گہرے سرخ رنگ کی تھی جس پہ سلور سلمٰی ستارے کا کام تھا۔ دوپٹے کے بارڈر پہ بھی چوڑی پٹی کی صورت میں سلور کام کیا گیا تھا۔ ساتھ میں نازک سا وائٹ گولڈ اور روبی کا نیکلس تھا اور ایک خوب صورت قیمتی سا ٹیکہ جس میں بڑا سا سرخ روبی جڑا تھا، اس کے ماتھے پہ سجا تھا۔ جانے تائی نے کب یہ سب بنوایا تھا، وہ بھی چپ چاپ ہر چیز پہنتی گئی۔
گھر میں ہونے والے ہنگاموں سے کہیں نہیں لگتا تھا کہ مسرت کو مرے ابھی بیس دن بھی نہیں ہوئے، مگر وہ شکوہ کس سے کرتی؟ مسرت کی زندگی میں بھی ان کی اتنی اہمیت کہاں تھی کہ مرنے کے بعد کوئی انہیں یاد رکھتا؟ اور سنا تھا، آج تو فواد بھی آ گیا تھا، پھر کاہے کا ماتم؟
وہ اپنے کمرے کے بجائے تائی کے کمرے میں تھی، تاکہ وہ ٹھیک سے تیار ہو جائے۔ اسے تیار کرنے کے لیے تائی نے وہ ماہر بیوٹیشن لڑکی بلوائی تھی جو کافی دیر سے اس پہ لگی ہوئی تھی۔
دفعتاً باہر لاؤنج سے چند آوازیں گونجیں۔ وہ ذرا سی چونکی، کیا فواد آ گیا تھا؟ مگر نہیں، یہ آواز تو...
"سنو، یہ دروازہ تھوڑا سا کھول دو۔" بے چینی سے اس نے بیوٹیشن سے کہا، تو وہ سر ہلاتی آگے بڑھی اور لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ آدھا کھول دیا۔
سامنے لاؤنج کا منظر آدھا نظر آ رہا تھا اور اس کا شک

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

درست تھا۔

"تم۔۔۔ تم اِدھر کیوں آئی ہو؟" تائی مہتاب کی تلملاتی بلند آواز اندر تک سنائی دے رہی تھی۔

"فکر مت کریں، میں رنگ میں بھنگ ڈالنے نہیں آئی، محمل کی شادی ہے، میرا آنا فرض بنتا تھا۔" وہ اطمینان سے کہتی سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ محمل کو صاف نظر آرہی تھی۔

سیاہ عبایا کے اوپر سیاہ حجاب کے تنگ ہالے کو چہرے کے گرد لپیٹے وہ اب بے نیازی سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

محمل نے لمحے بھر کو محسوس کرنا چاہا کہ اسے فرشتے کے آنے سے خوشی ہوئی ہے، مگر اسے اپنے محسوسات بہت جامد لگے تھے، برف کی طرح ٹھنڈے۔

اندر باہر خاموشی ہی خاموشی تھی۔ فرشتے آئے، یا فواد اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"مگر ہم تمہارا اس گھر سے کوئی رشتہ تسلیم نہیں کرتے۔"

"نہ کریں، مجھے پروا نہیں ہے۔" وہ اب ہاتھ میں پکڑے موبائل کے بٹن دباتی اس کی طرف یوں متوجہ تھی جیسے سامنے غصے سے بل کھاتی تائی مہتاب کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ فرشتے کے پاس موبائل نہیں تھا، وہ شاید ہمایوں کا موبائل لے کر آئی تھی۔

"دیکھو لڑکی! تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے، بہتر ہے کہ تم چلی جاؤ اس سے پہلے کہ میں گارڈ کو بلواؤں۔"

"پھر آپ گارڈ کو بلوالیں، کیونکہ میں تو ایسے جانے والی نہیں ہوں، سوری۔"

"تم کیسے نہیں جاؤ گی، تمہارا تعلق۔۔۔"

"مسز کریم! میں موبائل پہ بزی ہوں، آپ دیکھ رہی ہیں، مجھے ڈسٹرب مت کریں، اور پلیز محمل کو بلا دیں۔"

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی موبائل پہ چہرہ جھکائے ہوئے مصروف تھی، محمل کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ چھو گئی۔ فرشتے بدتمیز یا بدلحاظ نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ازلی ٹھنڈے اور باوقار انداز میں تائی کو بہت آرام سے جواب دے رہی تھی۔ البتہ محمل بدتمیزی کر جاتی تھی، اسے لگتا تھا وہ کبھی بھی فرشتے کی طرح پراعتماد اور باوقار نہیں بن سکے گی۔

"محمل تم سے نہیں ملے گی، تم جاسکتی ہو۔"

آغا جان کی آواز پہ موبائل پر مصروف فرشتے نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلے آرہے تھے۔ کلف لگے شلوار قمیص میں ملبوس کمر پہ ہاتھ باندھے وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم کریم چچا!" وہ موبائل رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ ازلی اعتماد اور سکون تھا۔

"فرشتے! تم یہاں سے جاسکتی ہو۔"

"آپ مجھے نکال سکتے ہیں؟" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"آپ کو لگتا ہے کریم چچا کہ آپ مجھے نکال سکتے ہیں؟"

"میں نے کہا، یہاں سے جاؤ۔" وہ ایک دم غصے سے دھاڑے تھے۔

"میں بھی اتنا ہی اونچا چیخ سکتی ہوں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی، میں یہاں یہ کرنے نہیں آئی، میں صرف محمل سے ملنے آئی ہوں۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے پراعتماد سی ان کے سامنے کھڑی تھی۔

لاؤنج میں سب اکٹھے ہونے لگے تھے۔ لڑکیاں ایک طرف کھڑی لاعلم سی اشاروں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں، اسد چچا، غفران چچا، فضہ چچی اور ناعمہ چچی بھی وہیں آگئی تھیں، حسن بھی شور سن کر سیڑھیوں سے اتر آیا تھا۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ آغا جان کے سامنے کھڑی وہ دراز قد سیاہ عبایا والی لڑکی کون تھی؟ بہت سی آنکھوں میں سوال تھا۔

"تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ تم سے نہیں ملے گی، سنا تم نے؟"

"آپ یہ ہی بات محمل کو بلوا کر پوچھ لیں نا کریم چچا! کہ وہ مجھ سے ملے گی یا نہیں۔"

"ہم تمہیں نہیں جانتے کہ تم کون ہو، کہاں سے اٹھ کر آگئی ہو۔ تم فوراً نکل جاؤ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"آغا جان! یہ کون ہیں؟" حسن الجھا ہوا آگے بڑھا۔

"تم بیچ میں مت بولو۔" انہوں نے پلٹ کر اتنی بری طرح سے جھڑکا کہ حسن خائف سا ہو گیا۔

"ہٹو۔" بیوٹیشن کا ہاتھ ہٹا کر وہ اٹھی اور کامدار دوپٹہ سنبھالتی ننگے پاؤں باہر کو لپکی۔

"آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں؟" لاؤنج کے سرے پہ وہ رک کر بولی تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ فرشتے ذرا سا مسکرائی۔

"کریم چچا کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملو گی؟"

"محمل! تم اندر جاؤ۔" تائی مہتاب پریشانی سے آگے بڑھیں۔

"آغا جان! تائی اماں! فرشتے کو میں نے خود شادی میں انوائیٹ کیا ہے، آپ گھر آئے مہمان کو کیسے نکال سکتے ہیں؟"

"تم نے؟" تائی مہتاب بھونچکی رہ گئیں۔ "تم جانتی ہو اسے؟"

"ہاں۔ میں انہیں جانتی ہوں۔"

"اور یہ کیسے نہیں جانتی ہوں گی، ان کے اس عاشق کی عزیزہ ہیں نا یہ۔"

کوئی تمسخرانہ انداز میں کہتا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ محمل نے چونک کر گردن اٹھائی۔ وہ فواد تھا۔ ہشاش بشاش، چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ لیے، وہ ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" فرشتے نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھ کر محمل کو مخاطب کیا۔

"یہ اس ملک میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن کو قانون زیادہ دیر تک حراست میں نہیں رکھ سکتا۔"

ایک جتاتی نظر فواد پہ ڈال کر اس نے چہرہ موڑ لیا تھا۔ "آپ اندر آجائیں فرشتے! بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" تائی تیزی سے آگے بڑھیں۔

"محمل! یہ لڑکی فراڈ ہے، یہ صرف ابراہیم کی جائیداد کے پیچھے ہے۔"

"وہ تو آپ بھی ہیں مہتاب آنٹی! اور شاید اسی لیے آپ محمل کو بہو بنا رہی ہیں؟"

اس نے فرشتے کو کسی سے اتنی دو ٹوک بات کرتے آج پہلی بار دیکھا تھا، مگر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔

"یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، تم بیچ میں مت بولو۔"

"میں بیچ میں بولوں گی، محمل کے لیے میں ضرور بولوں گی۔" وہ پلٹی اور محمل کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"محمل! مجھے بتاؤ، ان لوگوں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے؟ یہ تمہیں کیوں مجبور کر رہے ہیں اس شادی پہ۔"

"مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا، یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، میں اس پہ خوش ہوں۔"

فرشتے ایک دم چپ سی رہ گئی۔ اس کے شانوں پہ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔

"سن لیا تم نے؟ اب جاؤ۔" آغا جان نے استہزائیہ سر جھٹکا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا، مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھی۔

"محمل، تم نے اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر لیا؟" وہ دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "جب کسی کو اپنا مخلص دوست کہا جاتا ہے اور اپنے دوست کی محبت اور خلوص کے دعوے کیے جاتے ہیں تو اتنے بڑے فیصلوں سے قبل اسے مطلع بھی کیا جاتا ہے۔"

"میں آپ کو بتانے ہی۔۔۔"

"میں اپنی بات نہیں کر رہی۔"

"پھر؟ کون؟" وہ چونکی۔ "کیا ہمایوں؟" اس کا نام اس نے بہت آہستہ سے لیا تھا۔

"میں۔۔۔" وہ مزید اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے دھیرے سے بولی۔ "میں اس مصحف کی بات کر رہی ہوں جس کے اتارنے والے سے تم نے سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور ہم نے

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

اطاعت کی) کا وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے اسے بتایا؟"

"فرشتے!" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اللہ کو سب پتا ہے' میں کیا بتاؤں؟"

"کیا تمہیں دن میں پانچ بار اسے اپنی اطاعت کا بتانا نہیں پڑتا؟ پھر اپنے فیصلوں میں تم اسے کیسے بھول سکتی ہو؟"

محمل ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فرشتے کیا کہہ رہی ہے' کیا سمجھنا چاہ رہی ہے۔

"مگر میں نے نماز' تسبیح' کچھ نہیں چھوڑا' میں ساری نمازیں پڑھتی ہوں۔" وہ دونوں بہت مدھم سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

"لیکن کیا تم نے اس کی سنی؟ اس نے کچھ تو کہا ہوگا تمہارے فیصلے پر۔" فرشتے نے ابھی تک اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا اور وہ یک ٹک اسے تکے جا رہی تھی۔

"محمل! تم اس کی بات سنتیں تو سہی' اس سے پوچھتیں تو سہی! تم قرآن کھولو اور سورہ مائدہ کا ترجمہ دیکھو۔" اس کی آواز میں تاسف گھل گیا۔ محمل نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے' اسے لگا' اس سے غلطی ہو گئی ہے۔

"میں ابھی آتی ہوں' آپ جائیے گا نہیں۔"

وہ کام دار دوپٹے کا پلو انگلیوں سے تھامے ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف گئی۔

"محترمہ! آپ جا سکتی ہیں۔" فواد نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میرے باپ کا گھر ہے' اس میں ٹھہرنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت نہیں چاہیے۔" وہ رکھائی سے کہتی صوفے پہ بیٹھی اور پھر سے موبائل اٹھا لیا۔

فواد اور آغا جان نے ایک دوسرے کو دیکھا' نگاہوں میں۔۔۔ اشاروں کا تبادلہ کیا اور پھر آغا جان بھی گہری سانس لیتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئے۔ تقریب کے شروع ہونے میں دو ڈھائی گھنٹے رہتے تھے۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

محمل دوڑتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر وہ شیلف کی طرف لپکی۔

سب سے اوپر والے خانے میں اس کا سفید جلد والا مصحف رکھا تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اوپر رکھا' مصحف اٹھایا اور آہستہ سے اسے دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنے چہرے کے سامنے لائی' اسے سب یاد رہا تھا' صرف یہ بھول گیا تھا کیوں؟

وہ اسے مضبوطی سے پکڑے بیڈ پہ آ بیٹھی اور کور کھولا۔

وہ سورہ مائدہ کی 106 آیت تھی۔

"اے ایمان والو' جب تم میں کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو۔۔۔"

چند الفاظ پڑھ کر ہی اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔ اس نے زور سے پلکیں جھپکیں' کیا وہ سب کچھ واقعی ادھر لکھا تھا؟ وصیت۔۔۔ موت کا وقت' وصیت

"مسرت نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔۔۔"

"تمہارا رشتہ وسیم سے۔۔۔" بہت سی آوازیں ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے پڑھنے لگی۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر لوگوں ہی میں سے دو گواہ لے لیے جائیں پھر اگر (ان کی بتائی ہوئی وصیت میں) کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لیا جائے اور وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں' اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔"

وہ ساکت سی ان الفاظ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ قرآن کو تھامے دونوں ہاتھ بے جان سے ہو گئے تھے۔ کیا وہ سب واقعی یہاں لکھا تھا؟ مگر۔۔۔ مگر کیسے؟ وصیت۔۔۔ دو افراد کی قسم کھا کر گواہی۔۔۔ رشتہ دار یہ سب تو۔۔۔ یہ سب تو اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔

وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔ اس کا دل جیسے رعب سے بھر گیا تھا۔ رعب سے اور خوف سے۔ یکایک اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں' اسے ٹھنڈے پسینے آرہے ہیں' وہ بہت بھاری کتاب تھی' بہت بھاری' بہت وزنی' وہ جس کا بوجھ پہاڑ بھی نہ اٹھا سکتے ہوں' وہ کیسے اٹھا سکتی تھی؟ اسے لگا اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ وہ اب مزید یہ بوجھ نہیں اٹھا پائے گی۔ وہ عام کتاب نہیں تھی' اللہ کی کتاب تھی۔ اسے اللہ نے اس کے لیے' خاص اس کے لیے اتارا تھا۔ ہر لفظ ایک پیغام تھا۔ ہر سطر ایک اشارہ تھی۔ اس نے اتنی زندگی ضائع کر دی۔ اس نے یہ پیغام کبھی دیکھا ہی نہیں۔

"محمل! تم نے اتنی عمر بے کار گزار دی۔ یہ کتاب غلاف میں لپیٹ کر بہت اوپر سجانے کے لیے تو نہ تھی۔ یہ تو پڑھنے کے لیے تھی۔"

ہر دفعہ کی طرح آج پھر اس کتاب نے اسے بہت حیران کیا تھا۔ سوچنا سمجھنا تو دور کی بات' وہ تو متحیر سی ان الفاظ کو تکے جا رہی تھی' یہ سب کیا تھا؟ کیسے اس کتاب کو سب پتا ہوتا تھا؟

"کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہے' نادان لڑکی! یہ اللہ کی بات ہے' اس کا پیغام ہے' خاص تمہارے لیے' تم لوگ نہ سننا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔" کسی نے اس کے دل سے کہا تھا۔

"وہ کون تھا؟ وہ نہ جانتی تھی۔"

دروازے کھلنے کی آواز پہ سب نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے چلی آرہی تھی۔ کام دار دوپٹے کا کنارہ ٹھوڑی کے قریب سے اس نے دو انگلیوں میں لے رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت قدرے سفید پڑی ہوئی تھی یا شاید یہ کچھ اور تھا جو انہیں چونکا گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"آغا جان!" اس نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے اجنبی لہجے پہ چونک سے گئے۔

"ہاں' بولو۔"

"میری ماں کی وصیت کے وقت موجود لوگوں میں سے کون سے دو لوگ عصر کی نماز کے بعد اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر گواہی دیں گے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی یا نہیں؟"

پل بھر کو لاؤنج میں سکوت سا چھا گیا' فرشتے نے مسکراہٹ دبا کر سر نیچے کر لیا۔

آغا جان حیران سے کھڑے ہوئے۔

"کیا مطلب؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول
دل کے موسم
مریم عزیز
قیمت 250 روپے
ننگے پاؤں
نگہت سیما
قیمت 250 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

"آپ کو پتا ہے سورۂ مائدہ میں لکھا ہے نماز کے بعد آپ میں سے دو لوگوں کو اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر گواہی دینی پڑے گی۔"

"کیا بکواس ہے؟" وہ حسب توقع بھڑک اٹھے۔

"تمہیں ہماری بات کا اعتبار نہیں ہے؟"

"نہیں ہے!"

"تم!" وہ غصہ ضبط کرتے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔ تب ہی نگاہ فرشتے پہ پڑی تو اس نے فوراً" شانے اچکا دیے۔

"میں نے تو کچھ نہیں کیا کریم چچا!"

"تم سے تو میں بعد میں۔۔۔"

"آپ لوگ گواہی دیں گے یا نہیں؟" وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے بولی تھی، پھر چہرے کا رخ صوفوں پہ بیٹھے نفوس کی طرف موڑا۔ "کون کون تھا اس وقت آپ میں سے ادھر؟ کون دے گا گواہی؟ کون اٹھائے گا قسم؟ بولیے، جواب دیجیے۔"

سب خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اسے اس کے سارے جواب مل گئے تھے۔ کاش وہ پہلے اس آیت کو پڑھ لیتی تو اتنا غلط فیصلہ نہ کرتی، صحیح کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری بہت سی مصیبتیں ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہیں۔

"تو آپ لوگوں نے مجھ سے جھوٹ بولا، بہت بہتر۔ مجھے اب کوئی شادی نہیں کرنی۔" اس نے ماتھے پہ جھولتا ٹیکا نوچ کر سامنے پھینکا۔ نازک سا ٹیکا ایک آواز کے ساتھ میز کے شیشے پہ گرا۔

"اب میرا فیصلہ بھی سن لو۔" آغا جان نے ایک گہری سانس لی۔ "مگر پہلے تم لڑکی!" انہوں نے حقارت سے فرشتے کو اشارہ کیا۔ "تم مجھے یہاں سے چلتی نظر آؤ۔"

"میرے باپ کا گھر ہے، میں تو کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے فواد۔" انہوں نے فواد کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھا اور صوفے پہ بیٹھی فرشتے کو ایک دم بازو سے کھینچا۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی، بے اختیار چلا کر خود کو چھڑانے لگی، مگر وہ اسے بازو سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے جانے لگا۔ اسی پل آغا جان محمل کی طرف بڑھے۔

"تو تم یہ شادی نہیں کرو گی؟"

"ہاں ہرگز نہیں کروں گی۔ میری بہن کو چھوڑو۔" وہ غصے سے فواد پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی جو فرشتے کو زبردستی باہر لے کر جا رہا تھا، مگر اس سے پہلے ہی آغا جان نے اس کو بالوں سے پکڑ کر واپس کھینچا۔

"تو تم شادی نہیں کرو گی؟" انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ وہ چکرا کر گری۔

"تمہیں لگتا ہے ہم پاگلوں کی طرح تمہاری منتیں کریں گے؟ تمہارے آگے ہاتھ جوڑیں گے؟ نہیں بی بی شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی، ابھی اور اسی وقت۔ اسد! نکاح خواں کو ابھی بلواؤ۔ میں بھی دیکھتا ہوں یہ کیسے شادی نہیں کرتی۔"

"میں نہیں کروں گی، سنا آپ نے۔" وہ روتے ہوئے بولی، وہ مسلسل اسے تھپڑوں اور مکوں سے مار رہے تھے۔

"میری بہن کو چھوڑ۔" خود کو چھڑاتی فرشتے محمل کو پٹتے دیکھ کر لمحے بھر کو تو سکتہ میں رہ گئی تھی، اور پھر دوسرے ہی پل اس نے زور سے فواد کو دھکا دینا چاہا، مگر وہ مرد تھا، وہ اس کو دھکیل نہ سکتی تھی، وہ اس کا بازو پکڑتے ہوئے اسے دروازے سے باہر نکال رہا تھا۔

"فواد! اسے چھوڑو۔" یکدم حسن نے پوری قوت سے فواد کو پیچھے دھکیلا تھا۔ فواد اس حملے کے لیے تیار نہ تھا، ایک دم بوکھلا کر وہ پیچھے کو ہٹا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، اور فرشتے بازو چھڑاتی محمل کی طرف بھاگی، جسے آغا جان ابھی تک مار رہے تھے۔ فواد نے غصے سے حسن کو دیکھا مگر اس سے پہلے کہ اسے کچھ سخت کہتا، فضہ نے حسن کو بازو سے کھینچ کر ایک طرف کر دیا۔

"میری بہن کو چھوڑیں، ہٹیں۔" وہ چیختی ہوئی آغا جان کا ہاتھ روکنے لگی، مگر انہوں نے ساتھ ہی ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پہ مارا۔ فرشتے تیورا کر ایک طرف کو گری۔ منہ میز کے کونے سے لگا۔ ہونٹ کا کنارہ پھٹ گیا۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا، اگلے ہی منٹ وہ خود کو سنبھال کر تیزی سے اٹھی۔

محمل اپنے بازو چہرے پہ رکھے، روتی ہوئی اپنا کمزور سا دفاع کر رہی تھی۔ اب کی بار فرشتے نے آغا جان کا ہاتھ نہیں روکا، بلکہ محمل کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا۔ محمل گٹھڑی بنی چند قدم پیچھے کھنچتی گئی۔ اس کا دوپٹہ سر سے اتر کر پیچھے ڈھلک گیا تھا، بالوں کی لٹیں جوڑے سے نکل کر چہرے پہ بکھر گئیں۔

اس سے پہلے کہ آغا جان اپنے اور محمل کے درمیان چند قدم کا فاصلہ عبور کر پاتے، فرشتے ان کے بیچ آکھڑی ہوئی۔

"ہاتھ مت لگائیے میری بہن کو۔" اپنے پیچھے گٹھڑی بنی محمل کے سامنے اپنے دونوں بازو پھیلائے وہ چیخ پڑی تھی۔ "آپ لوگ اس حد تک گر جائیں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا؟"

"سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ تم آج میرے ہاتھوں ختم ہو جاؤ گی!" وہ غصے سے ایک قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ فواد نے ان کا بازو تھام لیا۔

"آرام سے آغا جان! آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا۔" ان کو سہارا دے کر وہ نرمی سے بولا تھا۔ محمل ابھی تک گھٹنوں پہ سر رکھے رو رہی تھی، جبکہ فرشتے اس کے آگے اپنے بازو پھیلائے راستہ روکے کھڑی تھی۔ فواد چاہتا تو اس کو پھر پکڑ لیتا، مگر جانے کیوں وہ آغا جان کو سہارا دیے وہیں کھڑا رہا۔ اس کی طرف نہیں بڑھا۔

"میں اب محمل کو ادھر نہیں رہنے دوں گی۔ اٹھو محمل! اپنا سامان پیک کرو، اب تم میرے ساتھ رہو گی۔ چلو۔" اس نے محمل کو اٹھانا چاہا، مگر وہ ایسے ہی گری روتی جا رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، آپ اسے اپنے ساتھ لے گئیں تو ہم خاندان والوں کو کہیں گے کہ محمل کی نام نہاد بہن اسے لے گئی اور بس؟" محمل کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے اسی لمحے تھا ایک شاطرانہ گہنے گئے اس نے قدرے الجھ کر سر اٹھایا اور فواد کو دیکھا۔ چہرے پہ چھایا غصہ آہستہ سے الجھن میں ڈھلا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ محمل تو وہ لڑکی ہے نا جو ایک رات پہلے بھی گھر سے باہر رہ چکی ہے؟ تو اس کے لیے اگر خاندان والوں کو یہ بتایا جائے کہ یہ نکاح سے پہلے کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو وہ فوراً" یقین کر لیں گے نا؟"

اس کے چہرے پہ شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

"نہیں۔" محمل نے تڑپ کر آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"تمہارے نہیں کہنے سے یہ بدنامی ٹل تو نہیں جائے گی ڈیئر کزن! تم اپنی بہن کے ساتھ گئیں تو ہم تمہیں پورے خاندان میں بدنام کر دیں گے۔ اور پھر یہ تمہیں کتنا عرصہ سنبھالے گی؟ اس کے بعد تم کہاں جاؤ گی؟"

محمل پھٹی پھٹی نگاہوں سے فواد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ خود فرشتے بھی سن رہ گئی۔

"اگر تم نے اس گھر سے قدم بھی نکالا تو تم بدنام ہو جاؤ گی۔ پورا خاندان تھوکے گا تم پر کہ ماں کے مرتے ہی کھلی چھوٹ۔۔۔"

"نہیں، نہیں۔۔۔ میں نہیں جاؤں گی۔" وہ خوف زدہ سی گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بول پائی۔

"یعنی تم وسیم سے شادی کرنے پہ تیار ہو۔ ویری گڈ کزن!"

وہ اسی عیاری سے مسکرایا۔ "اسد چچا یقیناً" نکاح خواں کو لاتے ہی ہوں گے۔ وسیم کدھر ہے؟ کوئی اسے بھی بلائے۔"

باقی آئندہ شمارے میں

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

نمرہ احمد

مصحف

محمل ابراہیم' آغا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طرح دار بیٹی ہے۔ بچپن میں ہی آغا ابراہیم کے انتقال کے بعد تایا آغا کریم اور چچاؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا قلق محمل کو ہے۔ گھر والوں خصوصاً" تائی مہتاب کا رویہ ماں بیٹی کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و ضروریات کے لیے محمل ٹیوشن سینٹر میں پڑھاتی ہے۔

آغا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آغا کریم اور مہتاب تائی 'فواد' حسان' وسیم' سدرہ اور مہرین کے ساتھ مقیم ہیں۔ آغا ابراہیم کے جڑواں بھائی آغا غفران اور فضہ چچی کے تین بچے حسن' ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آغا اسد اور ناعمہ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو' معیز اور معاذ ہیں جبکہ رضیہ پھپھو کی ایک صاحبزادی فائقہ بھی ہیں۔ خاندان بھر میں تائی مہتاب اور آغا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو' فائقہ اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محمل کو تائی مہتاب کے خاندان کی اس دکھتی رگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے نظرانداز کرتی ہے تو وہ اس پر چونک جاتا ہے۔ آرزو' سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور ذہانت سے حسد ہے۔

کالج جاتے ہوئے ہر روز اسے ایک پراسرار سیاہ فام لڑکی ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلد کی کتاب محمل کی توجہ کھینچتی ہے۔ وہ لڑکی محمل کو بتاتی ہے کہ اس کتاب میں ماضی' حال' مستقبل کا احوال ہے۔ اور اس میں حالات اپنے گرفت میں کرنے کا نسخہ ہے۔ محمل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محمل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محمل' آغا کریم کو بتاتی ہے کہ بہترین تعلیمی ریکارڈ پر اسے جلد ہی برٹش کونسل کی جانب سے لندن کی اسکالرشپ مل

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

جائے گی۔ وہ راستہ صاف ہو جانے کی اس نوید پر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ ایروناٹیکل انجینئر فرقان کا رشتہ سدرہ کے بجائے محمل کے لیے دے دیا جاتا ہے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ تائی مہتاب فوراً" انکار کر دیتی ہیں۔ جس پر محمل اور مسرت کو بہت رنج ہوتا ہے۔ فواد اس سے ہمدردی جتاتا ہے اور اسے فیکٹری میں آنر شپ دینے اور جاب کرنے کے لیے آغا جان سے بات کرتا ہے۔ جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالات سے تنگ آ کر محمل اس پر سرار لڑکی سے سیاہ جلد والی کتاب لے آتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے قبل ہی تائی مہتاب سب کے ساتھ اسے رنگے ہاتھوں پکڑتی ہیں۔ لیکن پتہ چلتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ محمل سمیت سب رنگ رہ جاتے ہیں۔ تائی مہتاب اپنی بے عزتی پر بے حد تلملائی ہیں۔ محمل غصہ میں آ کر سیاہ فام لڑکی کو قرآن شریف واپس کر آتی ہے اور اسے سخت سست بھی سناتی ہے۔ اس ردِ عمل پر وہ لڑکی بجھ سی جاتی ہے۔

آغا فواد سب سے چھپ کر محمل کو فیکٹری لے جانے لگتا ہے اور اسے منع کرتا ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ اسے بیش قیمت ملبوسات بھی دلواتا ہے تاکہ سدرہ کی منگنی پر وہ اپنی حیثیت کے مطابق نظر آئے۔ محمل اپنی سادگی میں اسے فواد کی محبت سمجھتی ہے۔ حسن، محمل کو فواد کے سائے سے بھی دور رہنے کی تنبیہہ کرتا ہے تو محمل کو برا محسوس ہوتا ہے۔ میریٹ میں ڈنر کا جھانسہ دے کر فواد، محمل کو اپنے ساتھ جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ راستے میں کسی ڈیل کے نہ ہونے پر نقصان کا ڈراما رچا کر محمل کو کلائنٹ کے پاس بھیجتا ہے۔ وہاں جا کر محمل کو آغا فواد کے اصل چہرے کا ادراک ہوتا ہے۔ فواد نے اے ایس پی کے سامنے محمل کو بطور چارہ استعمال کیا تھا اس صورت حال پر محمل چکرا کر رہ جاتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ آغا فواد اس کا بھائی ہے۔

انسپکٹر ہمایوں، محمل کی آغا فواد سے بات کرواتا ہے تو وہ اسے رات اسی کے ساتھ رہنے کو کہتا ہے۔ محمل اس دھوکہ دہی پر ششدر رہ جاتی ہے۔ اس صدمے سے وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ اسے ایک کمرے میں قید کر لیا جاتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بذریعہ چھت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس کوٹھی کے برابر میں مدرسہ ہے۔ جہاں اس کی ملاقات فرشتے نامی لڑکی سے ہوتی ہے، جو وہاں دین کی تعلیم دیتی ہے۔ فرشتے جان لیتی ہے کہ محمل اس وقت مشکل میں ہے۔ انسپکٹر ہمایوں اس کا کزن ہے۔ ہمایوں کے وہاں پہنچنے پر محمل کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے گھر انسپکٹر ہمایوں کے ساتھ جائے۔ کچھ سوچ کر محمل، فرشتے کی بات مان لیتی ہے۔ گھر پہنچنے پر اس کے ساتھ روایتی سلوک ہوتا اور آغا کریم اور تمام چچا اسے گھر سے نکال دینے کے درپے ہوتے ہیں کہ انسپکٹر ہمایوں کی آمد سب کو چونکا دیتی ہے۔ محمل سب کو بتاتی ہے کہ کس طرح آغا فواد نے دھوکے سے اسے ڈیل کا حصہ بنایا۔ سوائے حسن اور مسرت (ماں) کے سب اسے جھٹلاتے ہیں۔ وہ آغا فواد کی سرگرمیوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ کروا دیتی ہے۔ تائی جان اسے مارنے کو لپکتی ہیں تو سب انہیں روک دیتے ہیں۔ آغا فواد گرفتار ہو جاتا ہے۔ مصلحتاً" محمل کو گھر میں رہنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ مسرت سے محمل کی بات چیت بند ہے۔ وہ اس معاملے میں محمل کو بھی قصوروار سمجھتی ہیں۔ محمل فرشتے سے ملنے دوبارہ مدرسے جاتی ہے تو وہ اسے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ وہ اس بات کو خاص اہمیت نہیں دیتی، لیکن مصروفیت کے لیے اس کا مشورہ مان لیتی ہے۔ دینی تعلیم اسے ذہنی و روحانی سکون بخشتی ہے۔ اس دوران انسپکٹر ہمایوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے رابطے کے لیے اپنا سیل نمبر دیتا ہے۔ وہ آغا فواد کے خلاف محمل کو وعدہ معاف گواہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بات جب گھر والوں کے علم میں آتی ہے تو وہ محمل کو بری طرح زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ، رو، رو کر ان سب کو بددعا دیتی ہے۔ حسن گھر والوں کے اس سلوک پر ششدر ہے۔ مسرت، محمل کو آغا فواد کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے کا کہتی ہیں۔ محمل، انسپکٹر ہمایوں کو تمام صورتِ حال بتاتی ہے تو وہ اسے مصلحتاً" جھوٹ بولنے کا مشورہ دیتا ہے۔ تایا کریم اسے جائیداد میں حصہ دینے کا جھانسہ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ انسپکٹر ہمایوں داؤد کے خلاف کورٹ میں بیان دے تو اسے اس کا حصہ مل جائے گا، وہ ان کا ساتھ دینے کی ... بھر لیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط

"ہرگز نہیں۔" فرشتے نے غصے میں تڑپ کر اسے دیکھا۔ "میں محمل کی شادی تمہارے بھائی سے نہیں ہونے دوں گی۔ تم لوگ یہ سب صرف اس کی جائیداد ہتھیانے کے لیے کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں تم شادی کے بعد اس سے جائیداد اپنے نام لکھواؤ گے، اسے طلاق دلا کر گھر سے نکال دو گے۔"

"ہاں بالکل، ہم یہی کریں گے۔" وہ بہت سکون سے بولا۔ گو کہ یہ بات فرشتے نے خود کہی تھی مگر اسے فواد سے اعتراف کی توقع نہ تھی۔ وہ اپنی جگہ ششدر رہ گئی۔

"تو تم واقعی ——"

"ہاں۔ ہم اسی لیے تو محمل کی شادی وسیم سے کروانا چاہتے ہیں۔"

"فواد!" آغا جان نے تنبیہی —— نظروں سے اسے ٹوکنا چاہا۔

"مجھے بات کرنے دیں آغا جان!" ہاں تو محمل! ہم اسی لیے تمہاری شادی وسیم سے کر رہے ہیں۔ تمہیں منظور ہے نا؟ کیونکہ فرشتے کے ساتھ تو تم جا نہیں سکتیں۔ اب تمہیں شادی تو کرنا ہی ہو گی۔"

"نہیں، نہیں۔" وہ بے اختیار وحشت سے چلائی۔ "میں نہیں کروں گی یہ شادی۔"

"محمل! تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ تمہیں شادی کرنا پڑے گی۔" وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہتا آہستہ آہستہ اسے چاروں طرف سے گھیر رہا تھا۔

"کاش میں تمہیں بددعا دے سکتی آغا فواد! مگر میں حاملین قرآن میں سے ہوں، ایسا نہیں کروں گی کیا تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟" فرشتے نے تنفر سے اسے دیکھا۔

"میں نے کچھ غلط تھوڑی کہا ہے۔"

"تم غلط کر رہے ہو ایک یتیم لڑکی کے ساتھ۔"

"یہ تو ہم کافی سالوں سے کر رہے ہیں۔ یقین کیجیے ہم پر کبھی کوئی طوفان نوح نہیں آیا۔"

"تمہیں اس طوفان کی خبر تب ہو گی جب وہ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہو گا۔ اللہ سے ڈرو۔ تمہیں اس یتیم پر ظلم کر کے کیا ملے گا؟"

"تو آپ اس ظلم کو اپنے حق میں کیوں نہیں بدل لیتیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

وہ جواب دیے بنا اس پر ایک نظر ڈالتا محمل کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بیٹھی سر اٹھائے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"ایک صورت میں، میں تمہاری شادی وسیم سے روک دوں گا، اور چاہو تو تم اپنی بہن کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہم خاندان والوں کو کچھ بتائیں گے۔ پھر فرشتے جہاں چاہے تمہاری شادی کروا دے، ہم کیا پورا خاندان شریک ہو گا۔ کیا تم وہ صورت اختیار کرنا چاہو گی؟"

محمل کے چہرے پر بے یقینی اتر آئی۔ وہ بنا پلک جھپکے فواد کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"سدرہ! میری بیڈ سائیڈ ٹیبل پر جو کاغذ پڑا ہے، وہ لے کر آؤ اور ساتھ پن بھی۔" اس نے مہرین اور ندا کے ساتھ دیوار سے لگی خاموش کھڑی سدرہ کو اشارہ کیا جو اس کی بات سن کر سر ہلاتے ہوئے تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" خطرے کا الارم دور کہیں بجتا فرشتے کو سنائی دے رہا تھا۔

"یہی کہ محمل کی شادی رک سکتی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ جا سکتی ہے اگر..." اس نے سیڑھیوں سے اترتی

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

سدرہ کو دیکھا جو بھاگتی ہوئی آئی اور اسے کاغذ قلم پکڑا دیا۔

"اگر تم دونوں یہ پیپرز سائن کردو۔"

"یہ کیا ہے؟" فرشتے کا لہجہ محتاط تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ آپ نکاح کے وقت ڈرامہ کرنے ضرور آئیں گی اسی لیے ہم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے' ہمیں علم نہیں تھا کہ آپ محمل سے مل کر اسے کیا پٹیاں پڑھاتی ہیں' ہمیں سب پتا تھا محترمہ! یہ بھی کہ محمل کب کب آپ کے کزن سے ملتی رہی ہے مگر اس وقت کے لیے ہم نے آنکھ بند رکھی۔"

"آپ کی کیا شرط ہے' وہ بات کریں۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"یہ فرشتے ابراہیم اور محمل ابراہیم کا اعلان دستبرداری ہے۔ اس گھر' فیکٹری اور آغا ابراہیم کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے یہ دونوں بہنیں دستبرداری کا اعلان کرتی ہیں اور ہر چیز ہمارے حوالے کرتی ہیں۔ یہ کبھی بھی ہم سے کسی بھی موروثی ملکیت سے حصہ مانگنے نہیں آئیں گی اور آپ جانتی ہیں کہ بدلے میں ہم وسیم کی شادی محمل سے نہیں کریں گے۔ آف کورس! یہ آخری بات اس کاغذ میں نہیں لکھی گئی۔"

فرشتے کے چہرے پر پہلے الجھن ابھری پھر حیرت اور پھر واضح بے یقینی۔

"تم ... تم ہمیں' ہمارے حق سے' ہمارے گھر سے بے دخل کرنا چاہتے ہو؟"

"بالکل صحیح۔"

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو آغا فواد! تم ...!" اس کی بے یقینی اور تحیر غصہ میں بدل گیا۔

"تم ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کیسے کر سکتے ہو؟ یہ ہمارا گھر ہے۔ ہمارے باپ کا گھر ہے' اس پر ہمارا حق ہے۔ ہمیں ضرورت ہے پیسوں کی' محمل کی پڑھائی ہے اور پھر اس کی شادی کے لیے ... ہمیں ان سب کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ ہمارا درد سر نہیں ہے۔ تم یہ سائن کردو تو محمل کی جان وسیم سے چھوٹ جائے گی۔"

"مگر ہم تمہیں اپنا حق کیوں دیں؟"

"کیونکہ ان سب پر میرے شوہر اور بیٹوں کا حق ہے۔"

تائی مہتاب چمک کر کہتی آگے بڑھیں۔ "ابراہیم کی وفات کے وقت یہ بزنس دیوالیہ ہوچکا تھا۔ میرا شوہر دن رات محنت نہ کرتا تو یہ بزنس کبھی اسٹیبلش نہ ہو سکتا تھا۔"

"اگر اتنے ہی محنتی تھے آپ کے شوہر اور بیٹے تو میرے ابا کی ڈیتھ کے وقت بے روزگار کیوں پھر رہے تھے؟ اور تم؟" وہ فواد کی طرف پلٹی۔ "اور وارث تو اللہ نے بنائے ہیں' ہم کیسے اپنا حق نہ لیں۔"

"فرشتے بی بی! یہ پراپرٹی تو آپ کو چھوڑنا ہی پڑے گی۔ ابھی کچھ دیر میں مہمانوں کی آمد شروع ہوجائے گی۔ شادی والا گھر ہے' ذرا سی بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور بدنامی کس کی ہوگی؟ صرف محمل کی! اول تو اس کو وسیم سے شادی کرنی ہی پڑے گی' لیکن اگر آپ یونہی اڑی رہیں تو ٹھیک ہے' ہم خاندان میں کہہ دیں گے کہ محمل کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ کس کا خاندان چھوٹے گا' کس کا میکا بدنامی کے باعث چھوٹے گا' آپ خود فیصلہ کر سکتی ہیں۔"

وہ کہتے کہتے ذرا دیر کو رکا۔ وہ تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آغا فواد! تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟"

وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ "ہم کوئی غلط بات تھوڑی کر رہے ہیں؟ اپنا حق ہی مانگ رہے ہیں۔ خیر' دوسرا آپشن یہ ہے کہ آپ اور محمل اس پہ دستخط کریں اور اپنے حصے سے دستبردار ہوجائیں۔ ہم باعزت طریقے سے شادی کینسل کردیں گے' آپ محمل کو اپنے ساتھ لے جایئے گا' آپ جس سے چاہیں جب چاہیں' اس کا نکاح کرادیں' ہم بھرپور شرکت کریں گے' بلکہ پورا خاندان شرکت کرے گا۔ یہ گھر محمل کا میکا رہے گا' وہ جب چاہے ادھر آسکتی ہے' مگر اس کی ملکیت میں

آپ دونوں میں سے کسی کا کوئی حصہ نہیں ہوگا لیجیے!" اس نے کاغذ قلم اس کے سامنے کیے۔ "کر دیجیے سائن۔"

"مگر فواد ..." آغا جان نے کچھ کہنا چاہا لیکن تائی مہتاب نے ان کا بازو تھام لیا۔

"اسے بات کرنے دیں' وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"ہونہہ۔" فرشتے نے سر جھٹکا۔ "آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کی اس بلیک میلنگ میں آجاؤں گی؟ بلکہ آپ کو تو ..."

اس کی بات ابھی ادھوری تھی کہ اسے اپنے دائیں ہاتھ پہ دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ محمل اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو رہی تھی۔

اس کا کامدار دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا' بکھری بھوری لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔ آنسوؤں نے کاجل دھو ڈالا تھا۔ وہ بے دقت فرشتے کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی' اس کے انداز میں کچھ تھا کہ اس کا ماتھا ٹھنکا اور اس سے پہلے کہ فرشتے اس کو روک پاتی' اس نے جھپٹ کر فواد کے ہاتھ سے کاغذ قلم چھینا۔

"کدھر کرنے ہیں سائن؟ بتاؤ مجھے!" وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی تھی۔ فواد ذرا سا مسکرایا اور اپنی انگلی کاغذ پہ ایک جگہ رکھی۔

"نہیں' محمل!" فرشتے کو جھٹکا لگا تھا۔ "ہمارے پاس کئی راستے ہیں' ہمیں ان کی بلیک میلنگ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر مجھے ہے فرشتے! میں اب تنگ آچکی ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے کوئی جائیداد' کوئی مال دولت۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ لے لیں' سب لے لیں۔" وہ دھڑا دھڑ سائن کرتی جا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے برابر گر رہے تھے۔

فرشتے ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ اس نے تمام دستخط کر کے کاغذ اور قلم فواد کی طرف اچھال دیا۔

"لے لو سب کچھ۔ تم لوگوں کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔ میں اب تم سے اپنا کوئی حق نہیں مانگوں گی۔ چھوڑتی ہوں میں اپنے سارے حقوق۔" وہ کہتے کہتے نڈھال سی صوفے پہ گر گئی اور گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ واقعی تھک چکی تھی' ٹوٹ چکی تھی۔

فواد نے کاغذ سیدھا کر کے دیکھا' پھر فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اردگرد خاموش اور بے یقین بیٹھے حاضرین پہ ایک نگاہ دوڑائی پھر فرشتے کی طرف پلٹا۔

"محمل نے دستخط کر دیے ہیں۔ اب آپ بھی کر دیں۔"

اس نے کاغذ قلم اس کی طرف بڑھایا مگر فرشتے نے اسے نہیں تھاما۔ وہ ابھی تک سکتے کے عالم میں محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"دستخط کرو بی بی اور اسے لے جاؤ۔" تائی مہتاب نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی' پھر ناگواری سے ان کا ہاتھ ہٹایا اور فواد کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا۔

"نہیں۔ تم محمل کو نفسیاتی طور پر گھیر کر بے وقوف بنا سکتے ہو۔ یہ چھوٹی ہے' کم عقل ہے مگر فرشتے ایسی نہیں ہے۔ میں تمہاری بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گی۔ میں ہرگز سائن نہیں کروں گی اور میں کیوں کروں سائن؟ مجھے ضرورت ہے اپنے حصے کی' مجھے پی ایچ ڈی بھی کرنا ہے۔ مجھے باہر جانا ہے' میں ..."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ فواد نے کاغذ قلم میز پر پھینکا اور صوفے پر بیٹھی محمل کو گردن سے دبوچ کر اٹھایا اور اپنے سامنے ڈھال کی طرح رکھتے ہوئے جانے کہاں سے پستول نکال کر اس کی گردن پر رکھا۔

"اب بھی نہیں کرو گی تم سائن؟" وہ غرایا۔

فرشتے سناٹے میں آگئی۔

فواد نے بازو کے حلقے میں اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔ وہ شاک کے باعث کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ سخت گرفت کے باعث اس کی آنکھیں ابل کر باہر آنے لگیں۔ بے اختیار وہ کھانسی۔

"اپنی بہن سے کہو کہ شرافت سے سائن کردے ورنہ میں واقعی گولی چلا دوں گا اور تم جانتی ہو کہ میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہوں۔ یہی کہا تھا نا تم نے میرے بارے میں؟" اس کے کان کے قریب

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

منہ لے جا کر اس نے بظاہر سرگوشی میں کہا مگر سب کے کانوں تک اس کی سرگوشی پہنچ گئی۔

سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ حسن نے آگے بڑھنا چاہا مگر فضہ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"کیا کر رہے ہو' اگر اس نے گولی چلا دی تو وہ مر جائے گی۔ کیا تم یہی چاہتے ہو؟" انہوں نے بیٹے کو گھر کا تو وہ بے بسی سے کھڑا رہ گیا۔

"بولو فرشتے بی بی! تم سائن کرو گی یا نہیں؟"

اس نے پستول کی ٹھنڈی نال محمل کی گردن پر چبھوئی۔ وہ سسک کر رہ گئی۔

"بولو فرشتے!" وہ زور سے چیخا۔

"نہیں!" وہ جیسے ہوش میں آئی۔ "میں سائن نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"میں تین تک گنوں گا فرشتے! اگر میں نے گولی چلا دی تو تمہاری بہن کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"فرشتے پلیز.....!" محمل بلک پڑی۔ "پلیز میری خاطر فرشتے! آج آپ اپنا حق چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں' اگر ضرورت پڑی تو میں بھی آپ کے لیے اپنا حق چھوڑ دوں گی۔ آئی پرامس۔"

"نہیں! میں سائن نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تین تک گنوں گا۔"

فرشتے نے دیکھا' اس کی انگلی ٹرائیگر پر مضبوط ہوئی اور وہ واقعی گولی چلانے والا تھا۔

"ایک....."

لمحہ بھر کو اس کا دل کانپا۔ اگر وہ گولی چلا دے تو محمل مر جائے گی پھر بھلے وہ ہمایوں کو بلا لے' کورٹ کچہری میں گواہیاں دیتی پھرے' کچھ بھی کر لے' اس کی بہن واپس نہیں آسکے گی۔

"دو....."

بھلے فواد کو پھانسی ہو جائے اور وہ ساری جائیداد کی مالک بن بیٹھے' اس کی بہن واپس نہیں آئے گی۔

"تین.....!"

"رکو..... ! میں سائن کر دوں گی۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "لیکن آپ کو محمل کی شادی اسی وقت وہاں کرانا ہوگی' جہاں میں کہوں گی اور اس میں نہ صرف آپ سب بلکہ آپ کا پورا خاندان شریک ہو گا۔ محمل اسی گھر سے رخصت ہوگی۔"

"منظور ہے۔" فواد جھٹ بولا تھا۔ محمل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' فرشتے کیا کہنا چاہ رہی ہے' وہ نہیں سمجھ پائی تھی' پھر اس نے حسن کو دیکھا جو اسی طرح بے بس سا کھڑا تھا' فضہ نے سختی سے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔ بے بس اور کمزور مرد۔ وہ جو اتنے دعوے کرتا تھا' سب بے کار گئے تھے۔

"ٹھیک ہے' پھر نکاح خواں کو بلائیے' میں ہمایوں کو بلاتی ہوں۔" اس نے جھک کر میز پہ رکھا موبائل اٹھایا۔

"ہمایوں؟ ہمایوں داؤد؟" فواد کو گویا کرنٹ لگا تھا۔

"جی' وہی۔" فرشتے تلخی سے مسکرا کر سیدھی ہوئی۔ "بولیے' اب آپ کو یہ معاہدہ قبول ہے؟"

"ہمایوں داؤد؟ وہ اے ایس پی؟"

"وہ پولیس والا؟"

"نہیں' ہرگز نہیں۔" بہت سی حیران' غصیلی آوازیں ابھری تھیں جن میں سب سے بلند آغا جان کی تھی۔

"وہ شخص اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا جس نے میرے بیٹے کو جیل بھجوایا تھا' تمہیں دستخط نہیں کرنا تو نہ کرو' مگر میں محمل کی شادی کبھی اس سے نہیں کروں گا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی کریم چچا! میں یہ معاہدہ آغا فواد کے ساتھ کر رہی ہوں' ان ہی کو بولنے دیجیے نا۔"

"مگر....."

"نہیں آغا جان! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بلائیے اس کو۔ ہمیں قبول ہے۔" وہ سنبھل چکا تھا' چہرے کی مسکراہٹ واپس آگئی تھی۔

"مگر فواد' یہ کل کو مکر گئی تو؟" آغا جان نے پریشانی سے اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب کیا۔

"یہ نہیں مکریں گی' یہ تو ماشاءاللہ سے مُسل.....مان ہیں۔ یہ وعدے سے نہیں پھریں گی۔" مسلمان کو توڑ کر کہتے ہوئے اس نے استہزائیہ مسکراہٹ فرشتے کی جانب اچھالی۔ وہ لب بھینچے تنفر سے اسے دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بلائیے اپنے کزن کو۔ فنکشن تو آج ہونا ہی ہے۔ اسد اب تک نکاح خواں کا بندوبست کر چکا ہو گا۔" غفران چچا مصروف سے لہجے میں کہتے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی جیسے جان چھوٹ گئی تھی۔ فضہ سے بھی اپنا اطمینان و خوشی چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔ ان دونوں کو گویا اپنا بیٹا واپس مل گیا تھا' پھر بھی وہ حسن کا بازو مضبوطی سے تھامے کھڑی تھیں' مگر اب شاید وہ رسی تڑا کر بھاگنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس کا تو آسرا ہی ختم ہو گیا تھا۔

"آؤ اندر چلو۔" فرشتے نے تھکے تھکے انداز میں محمل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لیے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سب گردن موڑ کر انہیں جاتا دیکھنے لگے تھے۔ پورے گھر میں عجیب سی خاموشی دوڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ سب کسی خواب کی سی کیفیت میں ہوا تھا۔ شاید وہ ایک حسین خواب ہی تھا جس کی تعبیر کی اسے بہت بھاری قیمت چکانی پڑی تھی۔ بہت سارے خواب توڑنے پڑے تھے' مگر اسے اس وقت وہی صحیح لگا تھا۔ یہ نہ کرتی تو وہ لوگ اسے خاندان بھر میں بدنام کر دیتے۔ اس کے مرحوم ماں باپ کا نام اچھالا جاتا یا پھر سب سے بڑی وجہ وہ تھی' جو فواد کو بھی معلوم تھی اور جس کو اس نے استعمال کیا تھا۔ محمل کی دکھتی رگ' کہ اس کا خاندان اس کو عزت سے بیاہ دے۔ اسے دولت سے زیادہ اپنا مقام اور عزت چاہیے تھی اور فواد نے اسی دکھتی رگ کو ایسے دبایا تھا کہ اس کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ وہ فیصلہ جذباتی تھا' مگر اسے صحیح لگا تھا۔

پھر جو بھی ہوا' جیسے نیند کی حالت میں ہوا۔ فرشتے اس کا چہرہ کلینزر سے صاف کر کے بیوٹیشن کے ساتھ اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی' پھر وہ تائی مہتاب کے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❀ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❀ نئے بال اگاتا ہے۔
❀ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❀ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❀ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوا لیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے .... =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

زیور اتار کر اس کی ماں کے زیور پہنا رہی تھی' پھر وہ اس کا میک اپ کر رہی تھی' پھر وہ اس کے سینڈل کے اسٹریپ بند کر رہی تھی' پھر وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی اور پھر وہ بہت کچھ کر رہی تھی' مگر اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ سارے منظر دھندلا گئے تھے' بس وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتی بت بنی بیٹھی تھی۔

وہ خواب حسین تھا' مگر اس کا دل خالی تھا۔ سارے جذبات گویا مر سے گئے تھے۔ خواہش کے جگنو کھو گئے تھے۔

یا شاید ہمیں خوشی سے محبت نہیں ہوتی' خوشی کی "خواہش" سے محبت ہوتی ہے۔ ہماری سب محبتیں "خواہشات" سے ہوتی ہیں' کبھی کسی کو پانے کی تمنا' کبھی کوئی خاص چیز حاصل کرنے کی آرزو..... شاید محبت صرف خواہش سے ہوتی ہے' چیزوں یا لوگوں سے نہیں۔

اس نے اپنی خواہش کو اپنے پہلو میں بیٹھتے دیکھا' مگر اس کا اپنا سر جھکا تھا' سو زیادہ دیکھ نہ پائی اور اسی جھکے سر کے ساتھ نکاح نامے پہ دستخط کرتی گئی' کرتی گئی' کرتی گئی۔

جب اس کا ہاتھ تھام کر فرشتے اسے اٹھا رہی تھی تو اس نے لمحے بھر کو اسے دیکھا' جو سامنے لب بھینچے کھڑا تھا۔ براؤن شلوار کرتے میں ملبوس' سنجیدہ اور وجیہہ۔ اس نے نگاہیں جھکالیں۔ اسے اس کی سنجیدگی سے خوف آیا تھا۔ کیا وہ اس پہ مسلّط کی گئی تھی؟ ان چاہی' بے وقعت بیوی؟

اس نے بے عزتی اور توہین محسوس کرنا چاہی' مگر دل اتنا خالی تھا کہ کوئی احساس بیدار نہ ہوا۔

اردگرد لوگ بہت کچھ کہہ رہے تھے' مگر اس کی سماعتیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ سر جھکائے ہمایوں کی گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ اسے لگا اب زندگی کٹھن ہو گی' بہت کٹھن۔

☼ ☼ ☼

وہ اس جہازی سائز بیڈ کے وسط میں سر گھٹنوں پہ رکھے' گم صم سی بیٹھی تھی۔ فرشتے کچھ دیر ہوئی اسے وہاں بٹھا کر جانے کہاں چلی گئی تھی اور ہمایوں کو تو اس نے گاڑی سے نکل کر دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اندر چلا گیا تھا اور پھر دوبارہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے دل میں عجیب عجیب سے خیال آ رہے تھے۔ وہ بار بار "اعوذ باللہ" پڑھتی' مگر وسوسے اور وہم ستانے لگے تھے' شاید وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' شاید وہ اس پہ مسلّط کی گئی تھی' شاید وہ خفا تھا' شاید وہ اسے پسند ہی نہیں کرتا تھا' اب شاید اس کے پاس نہیں آئے گا' بلکہ شاید وہ بات تک نہ کرے' شاید وہ اسے چھوڑ دے' شاید وہ۔ شاید۔

بہت سے شاید تھے' جن کے آگے سوالیہ نشان لگے تھے۔ بار بار وہ شاید اس کے ذہن کے پردے پہ ابھرتے اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔ وہ مایوس ہونے لگی تھی' جب دروازہ کھلا۔

بے اختیار سب کچھ بھلا کر وہ سر اٹھائے دیکھنے لگی۔

وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ جانے وہ اب کیا کرے؟ وہ دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹا' پھر اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔

"السلام علیکم' کیسی ہو؟"۔۔۔ آگے بڑھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل دراز کھولی وہ خاموشی سے کچھ کہے بنا اسے دیکھے گئی۔ وہ اب دراز میں چیزیں الٹ پلٹ رہا تھا۔

"تم تھک گئی ہو گی' اتنے بڑے ٹراما سے گزری ہو۔ پریشان مت ہونا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اب نچلے دراز میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لہجہ متوازن تھا اور الفاظ... الفاظ پہ تو اس نے غور ہی نہیں کیا' وہ بس اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی' جو دراز میں اِدھر اُدھر حرکت کرتے یک دم رک گئے تھے اور پھر اس نے ان میں ایک میگزین پکڑے دیکھا۔

(کیا اس میں گولیاں بھی ہیں؟ کیا یہ مجھے مار دے گا)

وہ عجیب سی باتیں سوچ رہی تھی۔

وہ میگزین نکال کر سیدھا ہوا۔

"آئی ایم سوری محمل! ہمیں سب بہت جلدی میں

کرنا پڑا اور میں جانتا ہوں۔ تم اس سب کے لیے تیار نہیں تھیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ سانس روکے اس کے ہاتھ میں پکڑا میگزین دیکھ رہی تھی۔

"میں ابھی آن ڈیوٹی ہوں اور مجھے ریڈ کے لیے کہیں جانا ہے۔ رات فرشتے تمہارے ساتھ رک جائے گی' میں پرسوں شام تک واپس آجاؤں گا' تم پریشان نہ ہونا۔"

وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ عجیب شادی' عجیب سی دلہن' اور عجیب سا دولہا' اسے اس کی باتیں بہت عجیب لگی تھیں۔

"تم سن رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سی چونکی۔

"ہوں جی جی۔" بے ساختہ نگاہیں جھکالیں۔

پھر پتا نہیں وہ کیا کیا کہتا رہا' محمل نظریں نیچی کیے سنتی رہی۔ الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرا کر گویا واپس پلٹ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کب خاموش ہوا' کب اٹھ کر چلا گیا' اسے تب ہوش آیا جب پورچ سے گاڑی نکلنے کی آواز آئی۔

اس نے ویران نظروں سے کمرے کو دیکھا۔ یہی وہ کمرہ تھا جس میں کبھی ہمایوں نے اسے بند کیا تھا' تب وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی۔

آج اس نے سرخ شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ عروسی جوڑا' عروسی زیورات' وہ دلہن تھی اور پتا نہیں کیسی دلہن تھی۔ اس نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں یوں کبھی ہمایوں کی دلہن بن کر آئے گی۔ ہاں فواد کے خواب اس نے دیکھے تھے' مگر وہ اس کے دل کا ایک چھپا ہوا راز تھا' جس کی خبر شاید خود فواد کو بھی نہ تھی۔

"اور حسن؟" اندر سے کسی نے سرگوشی کی۔

حسن کے لیے اس کے دل میں کبھی کوئی جذبہ نہیں ابھرا تھا اور اچھا ہی ہوا۔ شام کو جب فواد نے اس کے نام کے ساتھ ہمایوں کا نام لیا تو کیسے وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔ وہ جو ہر موقع پہ محمل کے حق کے لیے بولتا تھا' لڑتا تھا' اتنے اہم موقع پہ یوں کیوں پیچھے ہو گیا تھا؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی اور فرشتے' اس نے کتنی بڑی قربانی دی تھی اس کے لیے۔ وہ کبھی بھی اس کا احسان نہیں اتار سکتی' وہ جانتی تھی' اس نے اپنا حق چھوڑ دیا' کاش فرشتے بھی کبھی اسے موقع دے اور وہ اس کے لیے اپنا حق چھوڑ سکے۔

اس نے تھک کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا اور آنکھیں موندلیں۔ اس کا دل اداس تھا' روح بوجھل تھی۔ اب اسے راحت چاہیے تھی' سکون چاہیے تھا۔ اپنے خاندان والوں کی قید سے نکلنے کے احساس کو محسوس کرنے کی حس چاہیے تھی۔ اسے غم سے نجات چاہیے تھی۔ اس نے ہولے سے لبوں کو حرکت دی اور آنکھیں موندے دھیمی آواز میں دعا مانگنے لگی۔

"یا اللہ' میں آپ کی بندی ہوں اور آپ کے بندے کی بیٹی ہوں اور آپ کی بندی کی بیٹی ہوں۔ میری پیشانی آپ کے قابو میں ہے' میرے حق میں آپ کا حکم جاری ہے' آپ کا فیصلہ میرے بارے میں انصاف پہ مبنی ہے۔ میں آپ سے سوال کرتی ہوں آپ کے ہر اس نام کے واسطے سے جو آپ نے اپنے لیے پسند کیا یا اپنی کتاب میں اتارا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اپنے علم غیب میں آپ نے اس کو اختیار کر رکھا ہے' اس بات کو کہ آپ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھوں کا نور بنا دیں اور میرے فکر اور غم کو لے جانے کا ذریعہ بنا دیں۔"

وہ دعا کے الفاظ بار بار دہراتی گئی' یہاں تک کہ دل میں سکون اتر آیا' اس کی آنکھیں بوجھل ہو گئیں اور وہ نیند میں ڈوب گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ دو دن فرشتے اس کے ساتھ رہی۔ ان دو دنوں میں انہوں نے بہت سی باتیں کیں' سوائے اس شام کے ڈرامے کے۔ وہ ایسا موضوع تھا کہ دونوں ہی کسی خاموش معاہدے کے تحت اس سے احتراز برت رہی

تھیں۔

فرشتے نے اسے بہت کچھ بتایا۔ ابا کے بارے میں، اپنی ماں کے بارے میں، ہمایوں کی امی کے بارے میں، اپنی زندگی، گھر اور پرانی یادوں کے بارے میں۔ وہ دونوں چائے کے مگ تھامے گھنٹوں لان میں بیٹھی باتیں کرتی رہتیں، چائے ٹھنڈی ہو جاتی، شام ڈھل جاتی، مگر ان کی باتیں ختم نہ ہوتیں۔

"پتا ہے محمل! ادھر لان میں....." وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھیں، چائے کے مگ ہاتھ میں تھے، جب فرشتے نے بازو لمبا کر کے انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔ "وہاں ایک جھولا تھا، بالکل کونے میں۔"

محمل گردن موڑ کر اس دیکھنے لگی جہاں اب صرف گھاس اور کیاریاں تھیں۔

"ہم بچپن میں اس جھولے پہ بہت کھیلتے تھے اور اس کے اس طرف طوطوں کا پنجرہ تھا۔ ایک طوطا میرا تھا اور ایک ہمایوں کا۔ اگر میرا طوطا اس کی ڈالی گئی چوری کھا لیتا تو ہمایوں بہت لڑتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی اتنا غصے والا تھا، مگر غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر لونگ اور کیئرنگ بھی کوئی نہیں ہے۔"

محمل مدھم مسکراہٹ لیے سر جھکائے سن رہی تھی۔

"جب میں بارہ سال کی ہوئی تو ابا نے مجھ سے پوچھا کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں یا اماں کے ساتھ؟ میں وقتی طور پہ ابا کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گئی، مگر اس دن ہمایوں مجھ سے بہت لڑا۔ اس نے اتنا ہنگامہ مچایا کہ میں نے فیصلہ بدل دیا۔" چائے کا مگ اس کے دونوں ہاتھوں میں تھا اور وہ کہیں دور کھوئی ہوئی تھی۔

"پھر جب ہم بڑے ہوئے اور میں نے قرآن پڑھا تو ہمایوں سے ذرا دور رہنے لگی۔ وہ خود بھی سمجھ دار تھا، مجھے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا تھا۔ پھر میری اماں کی ڈیتھ ہوئی تو....."

دفعتاً" گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ دونوں چونک کر اس طرف دیکھنے لگیں۔ اگلے ہی لمحے گیٹ کھلا اور زن سے سیاہ گاڑی اندر داخل ہوئی۔

"چلو تمہارا میاں آ گیا، تم اپنا گھر سنبھالو، میں اپنا سامان پیک کر لوں۔" وہ ہنس کر کہتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

محمل متذبذب سی بیٹھی رہ گئی۔ وہ گاڑی سے نکل کر اس طرف آ رہا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس، کیپ ہاتھ میں لیے تھکا تھکا سا۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تو تم میرے انتظار میں بیٹھی ہو، ہوں؟" وہ مسکرا کر کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ گلابی شلوار قمیص پہ بھورے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے وہ اداس شام کا حصہ لگ رہی تھی۔

"وہ میں....."

"کہہ دو کہ تم میرا انتظار نہیں کر رہی تھیں۔"

"نہیں۔ وہ..... چائے لاؤں؟"

"اونہوں، یہی کافی ہے۔" اس نے محمل کے ہاتھ سے مگ لیا۔ ایک گھونٹ بھرا اور مگ لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا، پھر جاتے جاتے پلٹا۔ "فرشتے ہے؟"

"جی، وہ اندر ہیں۔"

"اوکے۔ میں شاور لے کر کھانا کھاؤں گا، تم ٹیبل لگا دو۔" وہ کہہ کر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

وہ چند لمحے خاموش کھڑی کھلے دروازے کو دیکھتی رہی، وہ دروازہ بند کر کے نہیں گیا تھا، کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ اندر آ جائے؟ پہلے بھی تو وہ بغیر اجازت اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی تھی۔ اب بھی چلی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔

لاؤنج کے سرے پہ سیڑھیوں کے قریب فرشتے اور ہمایوں کھڑے تھے۔ وہ اپنے بیگ کا ہینڈل تھامے، سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹتے ہوئے انگلی سے ٹھوڑی کے نیچے اڑس رہی تھی۔

"نہیں بس، اب میں چلتی ہوں، کل مجھے کلاس

لینی ہے۔"

"کم از کم کچھ دن تو تمہیں ادھر رہنا چاہیے۔"

وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آواز بے حد مدھم تھی، محمل کو اپنا آپ ادھر بے کار لگا تو وہ سر جھکائے کچن میں چلی آئی۔

بلقیس جا چکی تھی۔ کچن صاف ستھرا پڑا تھا۔ اس نے چولہا جلایا اور کھانا گرم کرنے لگی۔ شاید وہ بھی اس گھر میں بلقیس کی طرح تھی۔ ایک نوکرانی۔

"محمل!" فرشتے نے کھلے دروازے سے جھانکا۔ محمل نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔ وہ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"آپ مت جائیں فرشتے، پلیز!" وہ بے اختیار روہانسی سی ہو کر اس کے قریب آئی۔

"اوہو، میرا کزن بہت اچھا انسان ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو پاگل!"

اس نے ہولے سے اس کا گال تھپتھپایا۔ محمل چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر یکایک اس کی بھوری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ جھک کر چولہے کو تیز کرنے لگی۔

"محمل! کیا ہوا ہے؟ تم مجھے پریشان لگ رہی ہو؟"

وہ ذرا فکر مند سی اس کے پیچھے آئی۔ محمل کی اس کی طرف پیٹھ تھی، فرشتے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کسی کی شادی ایسے بھی ہوتی ہے، جیسے میری ہوئی؟"

بہت دیر بعد وہ بولی تو آواز میں صدیوں کی یاس تھی۔ فرشتے ـــــ کچھ نہ بولی تو وہ پلٹی۔

فرشتے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا، اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہے۔

"کیا؟" وہ گڑبڑا گئی۔

"محمل! تم!" حیرت کی جگہ خفگی نے لے لی۔

"کیا ہوا؟"

"تم بہت..... بہت ناشکری ہو محمل! بہت زیادہ!"

وہ جیسے غصہ ضبط کرتے ہوئے تیزی سے مڑ گئی۔

"فرشتے! رکیں" محمل پوکھلا کر اس کے پیچھے لپکی۔

وہ تیزی سے باہر نکل رہی تھی، اس نے اسے بازو سے تھاما تو وہ رک گئی، چند لمحے ـــ کھڑی رہی پھر گہری سانس لے کر اس کی طرف گھومی۔

"تمہیں ہمایوں مل گیا محمل! اب بھی ناخوش ہو؟"

وہ بہت دکھی سی ہو کر بولی تھی۔ محمل نے بے چینی سے لب کچلا۔ فرشتے اسے غلط سمجھ رہی تھی۔

"نہیں، میں صرف اس خوشی کو محسوس کرنا....."

"جسٹ اسٹاپ اٹ!" وہ بہت خفا تھی۔ محمل چپ سی ہو گئی۔ چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی، پھر فرشتے نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں شانوں پہ اپنے ہاتھ رکھے اور اسے اپنے بالکل سامنے کیا۔

"تم واقعی ناخوش ہو؟"

"نہیں۔ مگر اس سب سے میرا دل کٹ کر رہ گیا ہے۔"

"لوگوں کی روح تک کٹ جاتی ہے محمل! سب قربان ہو جاتا ہے، وہ پھر بھی راضی ہوتے ہیں اور تم..... تم اب بھی شکر نہیں کرتیں؟" اس کی سنہری آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھری تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک محمل کے کندھوں پہ تھے۔

"نہیں، میں بہت شکر کرتی ہوں، مگر..... مگر بس سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے جیسے....."

"بس کرو محمل!" اس نے اسف سے سر جھٹک کر اپنے ہاتھ ہٹائے اور تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اسے یونہی شک سا گزرا کہ وہ رو رہی تھی۔

وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اس نے شاید فرشتے کو ناراض کر دیا تھا، لیکن وہ غلط کہتی تھی، وہ واقعی ناشکری کر رہی تھی۔ صرف زبان سے الحمد اللہ کہنا کافی نہیں ہوتا، اصل اظہار تو رویے سے ہوتا ہے۔

"کدھر گم ہو؟"

آواز پہ وہ چونکی۔ ہمایوں سامنے کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔

"فرشتے چلی گئی؟" وہ کاؤنٹر سے ہٹ کر فریج کی طرف بڑھا اور اسے کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

"جی۔"

"فرشتے بہت اچھی ہے نا؟" اس نے

Scan & PDF FIAZ AHMED Ladies Korner.com

ڈھکن کھول کر بوتل منہ سے لگائی۔
"بیٹھ کر پیئیں پلیز۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکی۔ وہ بوتل منہ سے ہٹا کر ہنس دیا۔
"فرشتے نے تمہیں بھی اچھی لڑکی بنا دیا ہے۔"
"تو کیا پہلے میں بری تھی؟" وہ برا مان گئی۔
"ارے نہیں، تم تو ہمیشہ سے اچھی تھیں۔" مسکرا کر کہتے اس نے پھر بوتل لبوں سے لگائی۔ محمل نے دیکھا، وہ بیٹھا نہیں تھا، اب بھی کھڑا ہو کر پی رہا تھا۔ خود کو بدلنا بھی آسان نہیں ہوتا مگر دوسرے کو بدلنا بہت ہی کٹھن ہوتا ہے۔
"اچھا یہ بتاؤ، تمہارا دل کیوں کٹ کر رہ گیا؟"
اف! وہ بری طرح چونکی۔ وہ تو شاور لینے گیا تھا کب آ کر سب سن گیا، اسے تو پتا ہی نہ چلا تھا۔
"وہ... دراصل..." اس کا دل زور سے دھڑکا۔
"گھر سے کسی نے کال نہیں کی تو میں۔"
"وہ کیوں کریں گے کال؟ ان کی اس شادی میں مرضی شامل نہیں تھی۔ فرشتے نے بہت مشکل سے انہیں راضی کیا تھا، وہ اس بات پہ ابھی تک غصہ ہیں، آئی تھنک۔"
وہ یکدم ٹھٹک گئی۔
"فرشتے نے..." اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"اس نے کتنی مشکل سے ان کو راضی کیا... تم جانتی ہو!" وہ پھر بول سے گھونٹ بھر رہا تھا۔
وہ دم بخود سی اسے دیکھے گئی۔ کیا وہ کچھ نہیں جانتا؟ اسے نہیں معلوم کہ کیسے ان دونوں نے فواد کے دیے کاغذ پہ دستخط کیے تھے؟ فرشتے نے اسے کچھ نہیں بتایا؟ مگر کیوں؟
"تم فکر مت کرو، ہم نے یہ شادی ان سے زبردستی کروائی ہے، ان کو کچھ عرصہ ناراض رہنے دو۔ ڈونٹ وری۔"
تو وہ واقعی کچھ نہیں جانتا۔ وہ بتائے یا نہیں؟ اس نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا۔ اگر فرشتے نے کچھ نہیں بتایا تو وہ کیوں بتائے؟ چھوڑو، جانے دو۔
"صرف ان کے ساتھ زبردستی ہوئی ہے یا آپ کے ساتھ بھی؟"
"تو تم اس لیے پریشان تھیں؟" اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "تمہیں لگتا ہے کوئی ہمایوں داؤد کو مجبور کر سکتا ہے؟"
"مجبورا" قائل تو کر سکتا ہے!"
"نہیں کر سکتا۔ قطعا" نہیں۔"
"پھر آپ نے... آپ نے کیوں شادی کی مجھ سے؟"
"اگر تم چاہتی ہو کہ میں یہ کہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا، وغیرہ وغیرہ، تو میں ایسا نہیں کہوں گا، کیونکہ واقعی مجھے تم سے کوئی طوفانی قسم کی محبت نہیں تھی۔ ہاں۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں نے اپنی مرضی سے تم سے شادی کی ہے اور میں اس فیصلے پہ بہت خوش ہوں۔"
اس کا انداز اتنا نرم تھا کہ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔ دل پہ لدا بوجھ ہلکا ہو گیا۔
"یعنی آپ خوش ہیں؟"
"آف کورس محمل! ہر بندہ اپنی شادی پہ خوش ہوتا ہے۔ بنیادی طور پہ میں بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ لمبی بات نہیں کرتا اور مجھے بے کار کی مبالغہ آرائی نہیں پسند۔ میں کوئی دعویٰ کروں گا، نہ وعدہ۔ یہ تم وقت کے ساتھ دیکھ لو گی کہ تم اس گھر میں خوش رہو گی۔"
وہ جیسے کھل کر مسکرا دی۔ اطمینان اور سکون اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا تھا۔
"تم اس پہ کچھ نہیں کہو گی؟"
"میں کیا کہوں؟"
"میں بتاؤں؟"
"جی بتائیے۔" وہ بہت دھیان سے متوجہ ہوئی۔
"سالن جل رہا ہے۔"
"اوہ۔" وہ بوکھلا کر پلٹی۔ دیگچی میں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔ مدھم سی جلنے کی بو بھی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اس نے جلدی سے چولہا بند کیا۔
"ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف!" وہ مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا۔ وہ گہری سانس لے کر دیگچی کی طرف متوجہ

ہوئی۔
سالن جل گیا تھا مگر اس کے اندر ہر سو بہار چھا گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ دبائے دیگچی اٹھا کر سنک کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"محمل... محمل!" وہ نیچے لاؤنج میں کھڑا سر اٹھائے مسلسل اسے آوازیں دے رہا تھا۔ "جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے۔"
"آ رہی ہوں، بس ایک منٹ۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے لپ گلوس اٹھایا اور سامنے آئینے میں دیکھتے ہوئے اسے لپ اسٹک پہ لگایا، لپ اسٹک چمک اٹھی تھی۔
"محمل!" وہ پھر چلایا تھا۔
"بس آ گئی۔" اس نے ایک عجلت بھری نگاہ سنگھار میز کے آئینے میں جھلکتے اپنے وجود پہ ڈالی۔ ٹی پنک بنارسی ساڑھی میں ملبوس، لمبے سیدھے بال کمر پہ گرائے کانوں میں چمکتے ڈائمنڈ کے ایئر رنگز، گردن سے چپکا نازک ہیروں کا سیٹ جو ہمایوں نے اسے تیمور کی پیدائش پہ دیا تھا اور کلائی میں وائٹ گولڈ کے موتی جڑے کنگن، ساتھ مناسب سا میک اپ۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ بیڈ پہ لیٹے تیمور کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔
"تم اتنی دیر کر رہی ہو، کیا ارادہ بدل گیا ہے؟" آخری فقرہ کہتے ہوئے وہ زیر لب مسکرایا۔ وہ جو تیمور کو اٹھائے سہج سہج سیڑھیاں اتر رہی تھی، مسکرا اٹھی۔
"ہرگز نہیں۔ آخر کو اپنے میکے جا رہی ہوں، ارادہ کیوں بدلوں گی؟" وہ سیڑھیاں اتر آئی — وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے، وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔
"اچھے لگ رہے ہیں۔"
"تم بھی!"
"بس اتنی سی تعریف؟" اس کا چہرہ اتر گیا۔
"شادی کے ایک سال بعد اب میں اور کیا کہوں؟"
وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر آئے تھے۔

"ایک سال گزر گیا ہمایوں! پتا ہی نہیں چلا، ہے نا؟" وہ فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہیں کھو سی گئی تھی۔
"ہاں، وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے۔" وہ گاڑی سڑک پہ ڈال کر بہت دیر بعد بولا تھا۔ "یوں لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہے۔"
"ہوں۔" محمل نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔
ایک سال گزر بھی گیا، یوں جیسے پتا ہی نہ چلا ہو۔ پورے ایک برس پہلے وہ بیاہ کر اس گھر سے ادھر آئی تھی، آج ایک برس بعد ہمایوں نے شادی کی سالگرہ پر اسے اسی گھر لے جانے کا تحفہ دیا تھا۔
پورا سال نہ انہوں نے اس کی خبر گیری کی، نہ ہی محمل نے کوئی فون کیا۔ شروع میں اسے غصہ تھا، پھر آہستہ آہستہ وہ غم میں ڈھل گیا اور اب... اب اسے اپنے فرائض یاد آئے۔ صلہ رحمی کے احکامات یاد آئے تو اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنے رشتہ داروں سے پھر سے تعلق جوڑے گی۔ پہلے بھی یہ خیال کئی بار آیا، مگر ہمایوں جانے پہ راضی نہ ہوتا تھا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ فواد کا کیس اندر ہی اندر دبتا گیا اور پھر ہمایوں نے ہی ایک دن اسے بتایا کہ فواد ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ شاید آسٹریلیا۔ وہ بھی کسی حد تک سکون میں آ گئی، نہ جانے کیوں۔
ہفتہ پہلے ہمایوں کو کسی جگہ آغا کریم ملے، اس نے محمل کو بتایا کہ وہ بہت خوش دلی سے ملے اور اسے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ منافقت، دنیا داری اور پھر اب وہ کس چیز کا بغض چہروں پہ سجائے رکھتے؟ فواد تو باہر چلا گیا اور جائیداد انہیں مل گئی، پھر ہمایوں داؤد جیسے بندے کو داماد کہنے میں کیا مضائقہ تھا؟ بلکہ فخر ہی تھا۔
ایک تبدیلی اور بھی آئی تھی۔ فرشتے اسکاٹ لینڈ چلی گئی تھی۔ اسے قرآن سائنسز میں پی ایچ ڈی کرنا تھی، خوب سارا علم حاصل کرنا تھا، پھر اس کا تھیسز اور... بہت کچھ۔ وہ چلی گئی تو مدرسہ میں اس کی جگہ کسی اور نے لے لی۔
اور رہی محمل تو وہ آج بھی تیمور کو لے کر فجر کی نماز

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

کے ساتھ ہی مدرسہ جاتی تھی۔ اس کے علم الکتاب کا ابھی آدھا سال رہتا تھا۔

گاڑی رُکی تو وہ چونک کر حال میں آئی۔ وہ آغا ہاؤس کے پورچ میں موجود تھی۔

وہ تیمور کو اٹھائے باہر نکلی اور گم صم سی اردگرد نگاہ دوڑائی۔

لان کے کونے میں مصنوعی آبشار بن چکی تھی' گھر کا پینٹ بدل چکا تھا' پورچ کے ٹائلز بھی نئے اور قیمتی تھے۔

لاؤنج کے دروازے پہ مہتاب تائی اور آغا جان کھڑے تھے۔ محمل اور ہمایوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جیسے گہری سانس لے کر ان کی طرف بڑھے۔ شال اس نے ایک کندھے پہ ڈال لی تھی۔ بھورے سیدھے بال دونوں کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔ پورچ کی مدھم لائٹ میں بھی اس کے ڈائمنڈ سیٹ کے جگر جگر کرتے ہیرے چمکے تھے۔

"محمل! یہ تم ہو؟ کیسی ہو؟" تائی مہتاب پُرتپاک استقبال کے ساتھ آگے لپکی تھیں۔

"محمل! میری بیٹی....." آغا جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس کے ساتھ کتنا ظلم کیا۔

دونوں چچیاں اور دوسری لڑکیاں بھی وہیں آ گئیں۔ وہ ان کے ساتھ ان کے سوالوں کے جواب دیتی اندر آئی تھی۔

ایک تو ہمایوں کی شان دار پرسنالٹی' اوپر سے محمل کا بدلا' سجا سنورا' دولت اور آسائشوں کی فراوانی ظاہر کرتا سراپا۔ فضہ نے تو ازلی میٹھے انداز میں تعریف کی' البتہ ناعمہ کے ماتھے کے بَلوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنی جلن چھپا نہ پا رہی تھی۔

لاؤنج کا بھی حلیہ بدلا ہوا تھا۔ قیمتی فانوس' پردے' بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز' گو کہ پہلے بھی وہاں ہر چیز قیمتی ہوتی تھی' مگر اب تو جیسے پیسے کی ریل پیل ہو گئی تھی۔ ایک ایک کونا چمک رہا تھا۔ شاید اب انہیں کھلا اختیار جو مل گیا تھا۔

"سدرہ باجی کدھر ہیں اور آرزو؟" صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی۔

"سدرہ کی تو دسمبر میں شادی ہو گئی' وہ کینیڈا چلی گئی۔" تائی مہتاب نے فخر سے بتایا۔ چہرے پہ اسے نہ بلانے کی کوئی ندامت نہ تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوب کر ابھرا۔ وہ غلط تھی' ان کو کوئی شرمندگی نہ تھی بلکہ نعمتوں کی بے پناہ بارش نے انہیں مزید مغرور کر ڈالا تھا۔

"مہرین کا نکاح پچھلے ماہ ہوا ہے' لڑکا ڈاکٹر ہے' انگلینڈ میں ہوتا ہے' اسی سال شادی کریں گے۔"

"اچھا۔ ماشاء اللہ!" وہ دل سے خوش ہوئی مگر اُلجھن بہرحال تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ کتنا ظلم کیا' پھر بھی ان کی خوشیوں میں اضافہ کیوں ہوتا چلا گیا؟

"ندا کی بھی منگنی ہو گئی۔" فضہ چچی کیوں پیچھے رہتیں۔ "وہ بھی ڈاکٹر ہے' سعودیہ کی رائل فیملی کے ڈاکٹرز میں سے ہے۔ سامیہ کی بھی آج کل بات چل رہی ہے۔"

"اور آرزو؟" یونہی اس کے لبوں سے پھسل پڑا۔ نگاہ سب سے الگ بیٹھی ناعمہ چچی پہ جا پڑی۔ ان کی کوفت میں جیسے اضافہ ہوا تھا۔

"رشتوں کی لائن لگی ہے میری بیٹی کے لیے' ہر دوسرے دن کسی شہزادے کا رشتہ آ جاتا ہے۔" وہ ہاتھ نچا کر بہت چمک کر بولی تھیں۔

"مگر وہ مانے بھی تو۔" فضہ چچی نے دھیمی سرگوشی کی' آواز یقیناً" ناعمہ چچی تک نہیں گئی تھی۔ مخاطب محمل ہی تھی' جو سُن کر ذرا سی چونکی تو فضہ چچی معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"آرزو باجی کدھر ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں؟" اس نے دوسری دفعہ پوچھا تو ناعمہ چچی اٹھیں اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئیں۔

"انہیں کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے تائی مہتاب

کو دیکھا' جنہوں نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔

"بیٹی کا دل آ گیا کسی پہ' اب مان کے نہیں دے رہی۔"

"اچھا!" اسے حیرت ہوئی۔ اسی پل سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کوئی رکا۔ آہٹ پہ محمل نے نگاہ اٹھائی' اور پھر بے اختیار شال کا پلو سر پہ ڈال لیا۔

حسن مبہوت سا ادھر کھڑا تھا۔ کف کا بٹن بند کرتے اس کے ہاتھ وہیں رُک گئے تھے۔

"السلام علیکم حسن بھائی!" وہ خوش دلی سے مسکرائی تو وہ چونکا' پھر سر جھٹک کر آخری زینہ اترا۔

"وعلیکم السلام' کیسی ہو محمل' کب آئیں؟" وہ ان کی طرف چلا آیا تھا۔ "یہ تمہارا..... بیٹا ہے یا بیٹی؟"

"بیٹا ہے' تیمور۔" اس نے جھک کر تیمور کو پیار کیا' پھر سیدھا ہوا۔

"اکیلی آئی ہو؟"

"ارے نہیں' ہمایوں اس کے ساتھ آیا ہے' تمہارے آغا جان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔ جاؤ مل لو۔" تائی مہتاب کے کہنے پہ وہ سر ہلاتا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"حسن بھائی کی کہیں منگنی وغیرہ نہیں کی چچی؟" وہ سادہ سے لہجے میں فضہ سے مخاطب ہوئی۔ اسے لگا وہ اس کا جوگ لیے ابھی تک بیٹھا ہو گا۔

"ارے نہیں' حسن کی تو شادی بھی ہو گئی۔ میری بھانجی طلعت یاد ہے تمہیں؟ اسی سے۔ آج کل وہ میکے گئی ہوئی ہے۔ سامیہ' سامیہ" انہوں نے بیٹی کو پکارا۔ "جاؤ حسن کی شادی کا البم لے آؤ۔"

محمل کو واقعتاً" جھٹکا لگا تھا مگر پھر سنبھل گئی۔ وہ جوگ لینے والا بندہ تو نہ تھا' کمزور مرد جو کبھی اس کے لیے مضبوط سہارا نہ بن سکتا' لیکن بھلا اسے اس کا سہارا چاہیے بھی کیوں تھا؟ کبھی بھی نہیں۔ اس کی تو حسن کے ساتھ کبھی بھی کوئی جذباتی وابستگی نہ رہی تھی' سو افسوس بھی نہ تھا۔

پھر انہوں نے اسے حسن اور سدرہ کی شادیوں کے البم دکھائے۔ وہ تو سجاوٹ اور دھوم دھام دیکھ کر حق دق رہ گئی۔ دلہنوں کے عروسی لباس اور زیورات تو ایک طرف محض ایونٹ ڈیزائننگ پہ پیسہ پانی کی طرح لٹایا گیا تھا۔ انہیں محمل نے وہ سب کچھ خود دیا تھا' اب بھلا وہ کیوں اس کا پُرتپاک استقبال نہ کرتے؟

ڈنر بہت پُرتکلف تھا۔ آغا جان اور ہمایوں کے انداز سے لگ رہا تھا ان کی گہری دوستی رہی ہے۔ کون کہہ سکتا تھا' کبھی آغا جان اس شخص کا نام نہیں سن سکتے تھے؟

بس اس کے ایک دستخط نے ساری دنیا ہی بدل ڈالی تھی' پھر بھی وہ خوش تھی۔ اسے میکے کا مان جو مل گیا تھا' چاہے منافقت کا ملمع اوڑھے' جھوٹا ہی سہی' مگر مان تو تھا نا۔

بس چند لمحوں کے لیے وہ تیمور کا بیگ لینے گاڑی تک آئی تھی اور تب اس نے لان میں کرسی پہ بیٹھی آرزو کو دیکھا تو رُک گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی' سو تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"بہت خوب مسز ہمایوں! خوب عیش کر رہی ہو۔" اس کے قریب سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی وہ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے بہت طنز سے بولی تھی۔ اس نے بمشکل خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

"اللہ کا کرم ہے آرزو باجی! ورنہ میں اس قابل کہاں تھی؟"

"قابل تو تم خیر اب بھی نہیں ہو' یہ تو اپنی اپنی چالاکی کی بات ہوتی ہے۔"

"مجھے چالاکیاں آتی ہوتیں تو اس گھر سے ایسے ہی رخصت ہوتی جیسے سدرہ باجی ہوئیں۔"

"اوہ ڈونٹ پریٹنڈ ٹو بی انوسنٹ۔" (زیادہ معصوم بننے کی کوشش نہ کرو) وہ تیزی سے جھڑک کر بولی۔ "تم جانتی تھیں کہ ہمایوں صرف اور صرف میرا ہے' پھر بھی تم نے اس سے شادی کی۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں یونہی چھوڑ دوں گی؟"

"یہ ہمایوں آپ کے کب سے ہو گئے آرزو باجی؟

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

نام تک تو آپ ان کا جانتی نہیں تھیں۔ وہ بھی مجھ سے ہی پوچھا تھا۔"

"اپنی چھوٹی سی عقل پہ زیادہ زور نہ دو محمل ڈیئر۔" اس نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی۔ "اور یاد رکھنا' آرزو ایک دفعہ کسی کو چاہ لے تو اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتی ہے۔"

"کیوں؟ آرزو خدا ہے کیا؟" اس کے اندر غصہ ابلا تھا۔ بے اختیار اس نے اپنی ٹھوڑی تلے اس کی انگلی ہٹائی۔

"یہ تو تمہیں وقت بتائے گا کہ کون خدا ہے اور کون نہیں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں کہتی مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اندر چلی گئی۔

"عجیب لڑکی ہے یہ' کسی کے شوہر پہ حق جما رہی ہے۔ اونہہ!" وہ غم و غصے سے کھولتے ہوئے واپس اندر آ گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ تمہاری کزن آرزو..... اس کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے کیا؟" واپسی پہ ڈرائیو کرتے ہوئے ہمایوں نے پوچھا تھا۔ وہ بری طرح چونکی۔

"کیوں؟ کچھ کہا اس نے؟" اس کا دل ایک دم ڈر سا گیا۔

"ہاں عجیب سی باتیں کر رہی تھی۔"

"آپ کو کب ملی؟ لاؤنج میں تو آئی ہی نہیں۔"

"پتا نہیں' عجیب طریقے سے سب مردوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے پے در پے سوالات شروع کر دیے۔ بہت آکورڈ لگ رہا تھا' مگر اس کے باپ کو تو فرق ہی نہیں پڑا۔"

"پھر؟" وہ دم بخود سی سن رہی تھی۔

"پھر حسن کو برا لگا اور اس نے اسے جھڑکا کہ اندر جاؤ' بٹ شی واز لائیک کہ میں تمہاری نوکر ہوں جو اندر جاؤں' عجیب سی سچویشن بن گئی تھی۔ میں تو فون کا بہانہ کر کے اٹھ گیا' واپس آیا تو وہ نہیں تھی۔ کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟"

"پتا نہیں۔" وہ لب کچل کر رہ گئی۔

"ایک بات کہوں محمل!"

"ہوں' کہیے۔"

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں لالچی ہوں' مگر حق حق ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا وہ لوگ کس طرح تمہاری جائیداد پہ عیش کر رہے ہیں۔ تمہیں ان سے اپنا حصہ مانگنا چاہیے۔"

"رہنے دیں' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی' ہمایوں شانے اچکا کر ڈرائیو کرنے لگا۔

وہ ہمایوں کو کیسے بتاتی کہ اس کے لیے وہ اپنا حق بہت پہلے ہی چھوڑ چکی ہے۔ اگر فرشتے نے چھپایا تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔

وہ اندر سے ایک دم ہی بہت افسردہ ہو گئی تھی۔ سو بیگ میں رکھا چھوٹا قرآن نکالا' جس کے سفید کور پہ "م" لکھا تھا۔

میں نے یہ ادھر کیوں لکھا ہے؟ وہ ہر دفعہ قرآن کھولنے پہ اپنا لکھا "م" پڑھ کر سوچتی اور پھر یاد نہ آنے پہ شانے اچکا کر آگے پڑھنے لگتی۔

اس نے صبح کی تلاوت پہ لگائے گئے بک مارک سے کھولا۔ سب سے اوپر لکھا تھا۔

"اور اس نے عطا کیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی تھی۔ اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمت کو' اسے تم شمار نہیں کر سکتے۔" بے اختیار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیوں مسکرا رہی ہو؟" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے حیران ہوا تھا۔

"نہیں' کچھ نہیں۔" اس کے دل کی تسلی ہو گئی تھی' سو قرآن بند کر کے رکھنے لگی۔ اسے واقعی ہر وہ چیز مل گئی تھی جو بھی اس نے مانگی تھی۔

"بتاؤ نا۔"

"اصل میں میرے لیے بڑی پیاری آیت اتاری تھی اللہ تعالیٰ نے' وہی پڑھ کر ان پہ بہت پیار آیا تھا۔" وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"ہنسے کیوں؟"

"کم آن محمل! اٹس آل ان یور مائنڈ!"

"کیا؟" وہ حیران ہوئی اور الجھی بھی۔

"محمل! وہ آیت تمہارے لیے نہیں تھی' یہ الہامی کتاب ہے' اوکے؟ اتنا casually ٹریٹ مت کیا کرو اسے۔ یہ قرآن پاک ہے۔ اس میں نماز روزے کے احکام ہیں۔ اٹس ناٹ اباؤٹ یو۔" اس نے موڑ کاٹا۔ کھلی شاہراہ رات کے اس پہر سنسان پڑی تھی۔

وہ سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تم دیکھو محمل! ایک ہی تصویر کو ہر شخص اپنے زاویے سے دیکھتا ہے۔ مثلاً" نقاد اس کی خامی ڈھونڈے گا' شاعر اس کے حسن میں کھوئے گا' سائنس دان کسی اور طرح سے اسے دیکھے گا۔ اٹس آل ان یور مائنڈ۔"

"نہیں ہمایوں! قرآن میں وہی کچھ ہوتا ہے جو میں سوچتی ہوں۔"

"اس لیے کہ تم وہی پڑھنا چاہتی ہو۔ تمہیں ہر چیز اپنے سے ریلیٹڈ لگتی ہے کیونکہ تم اسے خود سے ریلیٹ کرنا چاہتی ہو۔ محمل! یہ سب تمہارے ذہن میں ہے' یہ الہامی کتاب ہے' اس میں تمہارا ذکر نہیں ہے۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔"

دفعتاً" اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے ڈیش بورڈ پہ رکھا موبائل اٹھایا' چمکتی اسکرین پہ نمبر دیکھا اور پھر بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"جی رانا صاحب....." وہ محو گفتگو تھا۔

محمل نے گم صم سی نگاہ گود میں سوئے تیمور پہ ڈالی اور پھر ہاتھوں میں پکڑے قرآن کو دیکھا جس کو وہ ابھی بیگ میں رکھنے ہی لگی تھی۔ اسے لگا ہمایوں کی بات نے اس کی جان نکال لی تھی' روح کھینچ لی تھی۔ وہ لمحے بھر میں کھوکھلی ہو گئی۔ اس کا دل کھوکھلا ہو گیا' خیال کھوکھلا ہو گیا۔ امید کھوکھلی ہو گئی۔

تو کیا اتنا عرصہ وہ یہ سب تصور کرتی آئی تھی؟ وہ وہی پڑھتی تھی جو وہ پڑھنا چاہتی تھی؟ اسے وہی دکھائی دیتا جو اس کی خواہش ہوتی؟ وہ ہر چیز کا من چاہا مطلب نکالتی تھی؟

اس کا دل جیسے پاتال میں گرتا گیا۔ ہمایوں ابھی تک فون پہ مصروف تھا' مگر اسے اس کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ سب آوازیں جیسے بند ہو گئی تھیں۔ وہ گم صم سی ہاتھوں میں پکڑے قرآن کو دیکھے گئی' پھر درمیان سے کھول دیا۔ دو صفحے سامنے روشن ہو گئے۔ پہلے صفحے کے وسط میں لکھا تھا۔

"بے شک اس (قرآن) میں ذکر ہے تمہارا....."

اس سے آگے پڑھا ہی نہ گیا۔ وہ جیسے پھر سے جی اٹھی تھی۔

ساری اداسی' ویرانی ہوا ہو گئی۔ دل پھر سے منور ہو گیا۔ اب اسے کسی کا نظریہ یا رائے خود پہ مسلط نہیں کرنا تھی۔ اسے اس کا جواب نظر آ گیا تھا۔ دلیل مل گئی تھی۔

مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے احتیاط سے قرآن پاک سنبھال کر واپس بیگ میں رکھا اور زپ بند کی' پھر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے ہمایوں سے کوئی بحث نہیں کرنا تھی۔ اسے کچھ نہیں سمجھانا تھا۔ وہ اسے سمجھا ہی نہیں سکتی تھی کہ اکثر لوگ نہیں جانتے' نہیں مانتے۔

☼ ☼ ☼

صبح نئی سی اتری تھی۔ چڑیاں چہچہاتے ہوئے اپنی منزلوں کی طرف اڑ رہی تھیں۔ رات بارش کھل کے برسی تھی' سو سڑک ابھی تک نم تھی۔ سیاہ بادل اب نیلی چادر سے قدرے سرک گئے تھے اور موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔

وہ گیٹ پار کر کے باہر نکلی تو درختوں کی باڑ کے ساتھ کاشف سائیکل دوڑاتا آ رہا تھا۔ وہ تیمور کی پرام دھکیلتی سڑک پہ آگے بڑھنے لگی۔ اس کا رخ کاشف کی طرف تھا۔

"محمل باجی! السلام علیکم۔" کاشف اسے دیکھ کر چہک اٹھا۔ تیزی سے سائیکل بھگاتا اس تک آیا۔ وہ کالونی کے ان بچوں میں سے تھا جنہیں شام کو محمل

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

اپنے گھر جمع کر کے ناظرہ پڑھاتی تھی۔
"وعلیکم السلام۔ صبح ہی صبح کدھر جارہے ہو کاشف؟"
وہ رک گئی تھی۔
"ہمارے اسکول کی چھٹیاں ہوگئی ہیں نا' تو صبح فارغ ہوتا ہوں۔" اس نے اپنی الٹی پی کیپ سیدھی کی۔
اب وہ سائیکل روک کر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔
"حنان اور راحم وغیرہ کی بھی؟"
"جی باجی' سب کا آف ہوگیا ہے۔"
"تو پھر یوں نہیں کریں کہ آئندہ فجر کے بعد کلاس رکھ لیں؟"
"باجی! میں تو آجاؤں گا مگر راحم وغیرہ۔۔۔۔" اس نے متذبذب سے اپنے ہمسائے کا نام لیا۔
"وہ نہیں آئیں گے؟"
"وہ نہیں آئیں گے؟ آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجئے گا۔"
کاشف بائیک دوڑاتا دور نکل گیا۔
اس کا ارادہ سامنے مدرسہ جانے کا تھا' مگر پھر نکڑ پہ چھلی والا نظر آگیا۔
بارش کے بعد کا ٹھنڈا سہانا موسم اور بھنے ہوئے دانے۔ وہ رہ نہ سکی اور پرام دھکیلتی نکڑ پہ کھڑی ریڑھی کی طرف بڑھ گئی۔
سڑک سنسان پڑی تھی۔ چھلی والا بھی خاموشی سے سر جھکائے ریت گرم کر رہا تھا۔ وہ پرام دھکیلتی آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔ اسے یاد آیا اس نے آج صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں حالانکہ وہ روز پابندی سے صبح و شام کی دعائیں پڑھتی تھی' مگر آج جانے کیسے رہ گئیں۔ وہ ہولے ہولے تسبیح پڑھنے لگی۔ تب ہی فاصلہ سمٹ گیا اور وہ ریڑھی کے پاس آن پہنچی تو دھیان بٹ گیا۔
"ایک چھلی بنا دو' اور ساتھ میں پانچ روپے کے دانے بھی اور مسالہ بھی ذرا زیادہ ہو۔" اس کی تسبیح ادھوری رہ گئی' بوڑھا چھلی والا سر ہلا کر چھلی بھوننے لگا۔ وہ محویت سے اسے بھونتے دیکھنے لگی۔
ذہن کے کسی گوشے میں اس روز آرزو کی کہی گئی باتیں گونجنے لگیں۔ وہ بار بار انہیں ذہن سے جھٹکنا چاہتی مگر یونہی ایک دھڑکا سا دل کو لگ گیا تھا۔ بس ایسے ہی اس کا دل گھبرا سا جاتا۔ وہ نیند میں ڈر جاتی۔ جانے کیا بات تھی۔
"دس روپے ہوئے بی بی۔"
بوڑھے شخص کی آواز پہ وہ چونکی' پھر سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا پاؤچ کھولا۔ اندر پیسے اور چند کاغذ' بل وغیرہ رکھے تھے۔ اس نے دس کا نوٹ نکالنا چاہا تو ایک کاغذ' جو نوٹ کے اوپر اڑس کر رکھا گیا تھا' اڑ کر دور سڑک پہ جا گرا۔
"اوہ' ایک منٹ۔" وہ دس کا نوٹ اس کے ہاتھ پہ رکھ کر' تیمور کی پرام وہیں چھوڑے' دوڑتی ہوئی گئی جہاں سڑک کے وسط میں وہ مڑا تڑا سا کاغذ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر کاغذ اٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا' پھر تحریر دیکھ کر مسکرا دی۔ اگلے ہی پل سامنے سڑک کے کونے سے آتی گاڑی کی آواز آئی۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ گاڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی' ایک ہی جست میں اڑ کر سڑک پار کرنا چاہتی تھی' مگر موقع نہ ملا۔
تیز ہارن کی آواز تھی اور کوئی چیخ رہا تھا۔ اس کے پاؤں حرکت کرنے سے انکاری تھے۔ اس نے گاڑی کو خود سے ٹکراتے دیکھا' پھر اس نے خود کو پورے قد سے گرتے دیکھا' شور تھا۔۔۔۔ بہت شور اس نے اپنی چیخیں سنیں۔۔۔۔ اپنے سر سے نکل کر سڑک پر گرتا خون دیکھا' بہتا ہوا لال خون' بے حد لال۔
اس کی کلائی وہیں اس کے چہرے کے ساتھ بے دم سی گر گئی' اس نے ہاتھ کھول دیا۔ مڑا تڑا سا کاغذ نکل کر سڑک پہ لڑھک گیا۔ اس نے ارد گرد لوگوں کو اکٹھے ہوتے دیکھا۔ کہیں دور کوئی بچہ رو رہا تھا۔ بہت اونچا اونچا حلق پھاڑ کر۔ دور۔۔۔۔ بہت دور۔۔۔۔
جو آخری بات اس کے ڈوبتے ذہن نے سوچی تھی' وہ یہ تھی کہ آج اس نے صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

اس کا ذہن گھپ اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔ تاریکی... سیاہ کالی مہیب سی تاریکی، بنا رنگ کے، بنا شور کے، خاموش سی تاریکی۔ اندھیرے پہ اندھیرا، پردے پہ پردہ۔

اس کا ذہن زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ پانی پہ بہہ رہا تھا۔ بادلوں پہ تیر رہا تھا۔

زمین اور آسمان کے درمیان، نہ اوپر، نہ نیچے، ہوا کے بیچ کہیں معلق، کہیں درمیان میں، کسی تیرتے بادل پہ۔

پھر آہستہ آہستہ تیرتے بادل کو قرار آیا۔ ذرا سا جھٹکا لگا اور بادل کسی بلبلے کی طرح پھٹ کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اور ہر طرف روشنی بھرتی گئی، تیز، پیلی روشنی۔

اس نے ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ دھندلا سا ایک منظر سامنے تھا۔ سفید دیواریں، سفید چھت، چھت سے لٹکتا پنکھا، اس کے تین پر تھے، ہولے ہولے وہ ایک دائرے میں گھوم رہے تھے۔ دائرے، دائرے... بار بار دائرے۔

وہ کتنی ہی دیر یک ٹک چھت کو دیکھے گئی۔ وہ کون تھی؟ کدھر تھی؟ کیوں تھی؟ وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکتی رہی۔ پھر یکایک اِدھر اُدھر دیکھنا چاہا۔

اردگرد سفید دیواریں تھیں۔ قریب ہی ایک کاؤچ رکھا تھا۔ تپائی پہ سوکھے پھولوں کا گلدستہ سجا تھا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا، مگر جسم جیسے بے جان سا ہو گیا تھا یا شاید وہ بے حد تھک چکی تھی۔ اس نے کوشش ترک کر دی اور اپنے بازوؤں کو دیکھا، جن میں بے شمار نالیاں سی پیوست تھیں۔ ہر نالی کسی نہ کسی مشین کے سرے پہ جا رکتی تھی۔ وہ شاید اسپتال کا کمرہ تھا اور وہ خود شاید... بلکہ یقیناً "محمل ابراہیم" تھی۔

خود کو کیسے بھولا جا سکتا ہے بھلا؟ آہستہ آہستہ ساری یادداشتیں ذہن کے ہر گوشے سے ابھرنے لگیں۔ ایک ایک بات، ایک ایک چہرہ اسے یاد آتا گیا۔

تھک کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ آخری بات بھلا کیا ہوئی تھی؟ کس چیز نے اسے اِدھر اسپتال پہنچایا؟ شاید کوئی ایکسیڈنٹ؟ اور اسے دھیرے دھیرے یاد آتا گیا۔ وہ بھٹہ لینے سڑک کے اس پار گئی تھی۔ اس کے ساتھ کاشف بھی تھا۔ وہ سائیکل چلا رہا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہی ہوا تھا کہ وہ ریڑھی والے کے پاس چلی گئی۔ پھر... پھر کچھ ہوا تھا۔ اسے ٹکر لگی تھی۔ خون۔ بکھرے کاغذ، روتا بچہ۔

"بچہ؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ادھر اکیلی تھی۔ مگر وہ روتا بچہ... وہ آواز جو اسے آخری پل تک سنائی دی تھی؟ تیمور... تیمور رو رہا تھا۔ ہاں اسے یاد تھا، کہاں ہے تیمور؟

اس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا، اسی پل دروازہ کھلا۔

سفید یونیفارم میں ملبوس نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ وہ تیزی سے ٹرے لیے بیڈ کی طرف بڑھی، پھر اسے جاگتے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"اوہ شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔" وہ حیران سی کہتی اس کے قریب آئی۔ تب ہی کھلے دروازے میں ایک بچہ نظر آیا۔

چھ، سات برس کا، خوب صورت سا بچہ، شاید وہ کاشف کا ہمسایہ راحم تھا۔ ہاں، وہ راحم ہی تھا یا شاید راحم کا چھوٹا بھائی، وہ فیصلہ نہ کر پائی۔

"آر یو آل رائٹ؟" نرس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کو چھوا، پھر حیرت سے پوچھا۔ وہ بنا جواب دیے بچے کا چہرہ دیکھتی رہی، جو عجیب انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ شاید وہ لڑکا تھا جس کو وہ شام میں ناظرہ پڑھاتی تھی۔

"ہم آپ کی سسٹر کو بلاتا ہے ابھی۔" نرس خوشی سے چہکتی باہر کو بھاگی۔ وہ ابھی تک بچے کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جن میں عجیب سی کدورت تھی اور ننھی پیشانی پہ ذرا سے بل، وہ اس کو عجیب تنفر بھری نگاہوں سے دیکھتا کاؤچ پہ آ بیٹھا اور کہنیاں گھٹنوں پہ رکھ کر دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرا دیا۔ وہ ابھی تک اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"راحم!" اس نے پکارا تو اسے اپنی آواز بہت ہلکی، پھٹی پھٹی سی سنائی دی۔ بچہ اسی طرح سے دیکھتا رہا۔

"راحم!" اس نے پھر آواز دی۔ وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔

"میں سنی ہوں۔" پھر لمحے بھر کو رک کر عجیب سے تنفر سے بولا۔ "آئی ڈونٹ لائیک یو۔" (تم مجھے اچھی نہیں لگتیں)

"سنی؟" وہ دنگ رہ گئی، اس بچے کو وہ روز ناظرہ پڑھاتی تھی، وہ شاید راحم کا چھوٹا بھائی تھا۔ پھر وہ ایسے بات کیوں کر رہا تھا؟

اسی پل دروازہ زور سے کھلا۔

محمل نے چونک کر دیکھا۔

دروازے میں فرشتے کھڑی تھی۔ سیاہ عبایا پہ سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے وہ بے یقینی سے بستر پہ لیٹی محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"فر... فرشتے" وہ اپنی جگہ جامد رہ گئی۔ فرشتے تو باہر تھی، وہ پاکستان کب آئی؟

"او میرے اللہ! محمل!" اس نے بے اختیار اپنے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ کتنے ہی پل وہ بے یقینی سی کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ کافی کمزور ہو گیا تھا۔

"محمل! محمل!" ایک دم آگے بڑھ کر اس نے بے قراری سے اس کا چہرہ چھوا۔

"تم مجھے دیکھ سکتی ہو محمل؟ تم مجھے پہچانتی ہو؟ تم بول سکتی ہو؟"

"میں تمہیں کیوں نہیں پہچانوں گی فرشتے؟ تم کب آئیں؟"

"میں؟" فرشتے متعجب نظروں سے اسے تک رہی تھی۔ "میں تو... مجھے تو کافی وقت ہو گیا محمل! تم، میں نے تم سے اتنی باتیں کیں، تم نے سنا؟"

"کیا؟" وہ الجھ سی گئی۔ "نہیں، میں نے تو کوئی بات نہیں سنی، میں تو..." وہ رک رک کر اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ "میں تو صبح ریڑھی والے کے پاس گئی تھی۔ مجھے گاڑی نے ٹکر مار دی، اور، اور تم نے بتایا بھی نہیں کہ تم آ رہی ہو؟"

فرشتے بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ گویا اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ ہو۔

"فرشتے! بولو۔" اسے فرشتے کی یہ حیرت و بے یقینی پریشان کر رہی تھی، کہیں کچھ غلط تھا۔

"محمل تم۔" وہ کچھ کہتے کہتے پھر رک گئی، جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔

"یو اینڈ یور اوور ایکٹنگ! ہونہہ۔" وہ چھوٹا لڑکا بے زاری کہہ اٹھا تھا۔ فرشتے نے چونک کر اسے دیکھا۔

سیاہ حجاب میں دمکتے فرشتے کے چہرے پہ ہلکی سی ناگواری ابھری۔

"سنی پلیز بیٹا! جاؤ یہاں سے، مجھے بات کرنے دو۔"

"میں کیوں جاؤں؟ میری مرضی، آپ دونوں چلی جائیں۔"

"فرشتے! یہ کون ہے؟ کیوں ضد کر رہا ہے؟" وہ الجھ کر پوچھ رہی تھی، مگر فرشتے دوسری طرف متوجہ تھی۔

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو۔" وہ بدتمیزی سے چیخا تھا۔

"شٹ اپ تیمور! اینڈ گیٹ آؤٹ، تم دیکھ نہیں رہے میں ماما سے بات کر رہی ہوں۔"

فرشتے کہہ رہی تھی اور اسے لگا کسی نے اس کے اوپر ڈھیروں پتھر لڑھکا دیے ہوں۔

"تم نے... تم نے تیمور کہا فرشتے؟" وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"ہاہ! شی از ناٹ مائی مام!" وہ سر جھٹکتا اٹھ کر باہر گیا اور اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا۔

"تم نے تیمور کہا؟ نہیں، یہ تیمور... نہیں... میرا تیمور کہاں ہے؟" اس کا دل بند ہو رہا ہے، کہیں کچھ غلط تھا، کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

فرشتے نے آہستہ سے گردن اس کی طرف موڑی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

اس کی سنہری آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھر آئی تھی۔

"محمل! تمہیں کچھ یاد نہیں؟"

"کیا... کیا یاد نہیں؟ میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ گھٹی گھٹی سی سسک اٹھی۔ کچھ تھا جو اس کا دل ہولا رہا تھا۔

"محمل..." اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر گال پہ لڑھکنے لگے، بے اختیار اس نے محمل کے ہاتھ تھام لیے۔ "تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

"فرشتے میں پوچھ رہی ہوں کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"تمہارے سر پہ چوٹ آئی تھی، تمہارا اسپائنل کارڈ ڈیمج ہوا تھا۔"

"فرشتے! میرا بچہ۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ وہ بے قراری سے فرشتے کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"محمل... محمل! تم بے ہوش ہو گئی تھیں، تم کوما میں چلی گئی تھیں۔"

"مجھے پتا ہے، صبح میرا ایکسیڈنٹ..."

"وہ صبح نہیں تھا۔ وہ سات سال پہلے تھا۔"

وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"وقت سات سال آگے بڑھ گیا ہے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں؟ وہ ساری باتیں جو میں اتنے برس تم سے کہتی رہی؟ وہ دن، وہ راتیں جو میں نے ادھر تمہارے ساتھ گزاریں، تمہیں کچھ یاد نہیں؟"

وہ پتھر کا بت بن گئی تھی۔ فرشتے کو لگا وہ اس کی بات نہیں سن رہی۔

"ڈاکٹرز کہتے تھے۔ تم کبھی بھی ہوش میں آسکتی ہو۔ ہم نے بہت ویٹ کیا تمہارا محمل، بہت زیادہ۔"

آنسو متواتر اس کے دمکتے چہرے پہ گر رہے تھے۔

وہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ گویا وہ وہاں تھی ہی نہیں۔

"میں نے تمہارے اٹھ جانے کی بہت دعائیں کیں محمل! میں نے اپنا پی ایچ ڈی بھی چھوڑ دیا، تمہارے ایکسیڈنٹ کے دوسرے مہینے میں آگئی تھی، دو ماہ رہی، پھر واپس گئی، مگر دل ہی نہیں لگ سکا۔ میں پڑھ ہی نہیں سکی، پھر میں نے سب پڑھائی چھوڑ دی اور تمہارے پاس آگئی۔ اتنے برس محمل، اتنے برس گزر گئے، تمہیں کچھ بھی یاد نہیں؟ محمل۔"

فرشتے نے ہولے سے اس پتھر کے مجسمے کا شانہ ہلایا۔ وہ ذرا سی چونکی، پھر اس کے لب کپکپائے۔

"میرا... میرا تیمور؟"

"یہ تیمور تھا نا سنی، ہم اسے سنی کہتے ہیں۔"

مگر وہ کیسے مانتی؟ وہ جسے کوئی کالونی کا بچہ سمجھی تھی، وہ اس کا اپنا بچہ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا؟ اسے تو لگا تھا کہ وہ بس ایک دن کے لیے سوئی ہے یا پھر شاید دن کا ایک حصہ۔ پھر صدیاں کیسے بیت گئیں؟ اسے کیوں نہیں پتا چلا؟ اور تیمور... نہیں۔

اسے کاٹ میں لیٹا اپنا نومولود بچہ یاد آیا۔

"فرشتے! وہ میرا بچہ ہے۔ اور... ندا یا..." اس نے بے یقینی سے آنکھیں موند کر کھولیں۔ "وہ اتنا بدل گیا ہے؟"

"بہت کچھ بدل گیا ہے محمل! کیونکہ وقت بدل گیا ہے۔ وقت ہر شے پر اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے۔"

"ہمایوں؟" اس کے لب پھر پھڑائے۔ "ہمایوں کہاں ہے؟"

"نرس نے جب بتایا تو میں نے اسے کال کر دیا تھا۔ مگر..." وہ لمحے بھر کو ہچکچائی۔ "وہ میٹنگ میں تھا، رات تک آسکے گا۔"

"نہیں فرشتے، تم اس کو بلاؤ، پلیز بلاؤ، اس سے کہو، محمل جاگ گئی ہے۔ محمل اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ میرے ایک فون پر ہی دوڑ آتا تھا۔"

"وہ سات سال پہلے کی بات تھی محمل! وقت کے ساتھ یہاں بہت کچھ بدلتا ہے، لوگ بھی بدل جاتے ہیں۔"

"وہ کیوں نہیں آیا؟" وہ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔ عجیب بے یقینی سی، بے یقینی تھی۔

"محمل! پریشان مت ہو۔ پلیز، دیکھو۔"

وقت ہمایوں کو نہیں بدل سکتا۔ میرا ہمایوں ایسا نہیں ہے، میرا تیمور ایسا نہیں ہے۔

وہ ہذیانی انداز سے چلائی۔ اتنی بے یقینی تھی کہ اسے رونا بھی نہیں آرہا تھا۔

فرشتے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔

ابھی اسے سنبھلنے میں وقت لگے گا، وہ جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

فرشتے چلی گئی اور وہ منہ پہ چادر ڈالے آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ اسے یقین نہ تھا کہ فرشتے نے اس سے سچ بولا ہے، اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب ایک بھیانک خواب ہے اور ابھی وہ آنکھ کھولے گی تو وہ خواب ٹوٹ جائے گا۔

پھر اس نے آنکھ ہی نہ کھولی، اسے ڈر تھا کہ اگر خواب نہ ٹوٹا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

جانے کتنا وقت گزرا، وہ لمحوں کا حساب نہ رکھ پائی۔ اور اب کون سے حساب باقی رہ گئے تھے؟

دروازے پہ ہولے سے دستک ہوئی۔ اس نے لمحے بھر کو آنکھیں کھولیں۔ ہوا سے چہرے پہ پڑی چادر سرک گئی تھی، منظر صاف واضح تھا۔

کھلے دروازے کے بیچ وہ کھڑا تھا۔

اس کی نگاہیں وہیں ٹھہری سی گئیں۔ وقت تھم گیا، لمحے ساکن ہو گئے۔ وہ اسے ویسا ہی لگا تھا۔ اتنا ہی وجیہہ اور شان دار، مگر اس کا جذبات سے عاری چہرہ اس پر چھائی سنجیدگی، نہیں، وہ شاید ویسا نہیں رہا تھا۔

وہ آہستہ سے قدم اٹھاتا بیڈ کے قریب آیا اور پائنتی کے ساتھ رک گیا۔

"ہمایوں!" تڑپ کر رہ گئی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"ہوں، کیسی ہو؟" وہ پائنتی کے قریب کھڑا رہا، اس سے آگے نہیں بڑھا، آواز میں بھی عجیب سرد مہری تھی۔

"ہمایوں!" وہ رونے لگی تھی۔ "یہ سب کیا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ اتنے سال گزر گئے، میری نیند اتنی لمبی کیوں ہو گئی؟"

"معلوم نہیں۔ ڈاکٹرز کب تمہیں ڈسچارج کریں گے؟" وہ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ جیسے جانے کی جلدی ہو، اس کے لہجے میں کوئی ناراضی کا عنصر نہ تھا، بلکہ بہت ہموار لہجہ تھا۔ لیکن شاید ان کے درمیان کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا ہمایوں؟" جیسے وہ تسلی کے دو بول سننا چاہتی تھی۔

"ہوں۔" وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے تنقیدی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟ ہمایوں... اور تیمور... وہ اس کے ساتھ یوں کیوں کر رہے تھے؟

"ہمایوں... مجھ سے بات تو کریں۔"

"ہاں، کہو میں سن رہا ہوں۔" وہ متوجہ ہوا، لمحے بھر کو نگاہ اس پہ جھکائی۔

اس کے آنسو تھم گئے۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گئی۔ یہ تو محبت کی نگاہ نہ تھی، یہ تو خیرات تھی، بھیک تھی۔

وہ چند لمحے منتظر سا اسے دیکھتا رہا، پھر واپس جانے کو مڑا۔

اسی پل دروازے میں فرشتے کا سراپا ابھرا۔ وہ ہاتھ میں فروٹ باسکٹ پکڑے تیزی سے اندر آرہی تھی۔ ہمایوں اس کے ایک طرف سے نکل کر باہر چلا گیا۔

فرشتے نے پلٹ کر اسے جاتے دیکھا۔

"ہمایوں ابھی تو آیا تھا؟ چلا بھی گیا؟ کیا کہہ رہا تھا؟" اچنبھے سے کہتے ہوئے اس نے گردن اس کی جانب موڑی۔ محمل کے چہرے پہ کچھ تھا کہ وہ لمحے بھر کو چپ سی ہو گئی۔

"فکر مت کرو، وہ ہر کسی سے ایسے ہی بی ہیو کرتا ہے۔" وہ ماحول کو خوش گوار کرنے کے لیے کہتی آگے بڑھی اور فروٹ باسکٹ سائیڈ ٹیبل پہ رکھی۔

"مگر میں، کسی تو نہیں تھی فرشتے۔" وہ ابھی تک نم آنکھوں سے کھلے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ، تم کیوں فکر کرتی ہو؟"

"مگر وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟" اس کی آنکھیں پھر سے ڈبڈبائیں۔

"محمل دیکھو، اس تبدیلی نے وقت لیا ہے، تو اس کو ٹھیک ہونے میں بھی وقت لگے گا۔ تم اس کو کچھ وقت

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

دو۔" وہ اس کے ریشمی بھورے بال نرمی سے ہاتھ میں پکڑے برش کر رہی تھی۔

وقت، وقت، وقت..... وہ ایک ہی تکرار ہر جگہ دہرائی جا رہی تھی۔ اس وقت نے کیا کچھ بدل دیا تھا، اسے اس کا اندازہ آہستہ آہستہ ہو رہا تھا۔

وہ اپنے نچلے دھڑ کو حرکت نہیں دے سکتی تھی، وہ اپنے پاؤں نہیں ہلا سکتی تھی۔ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ خود کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ اپنے پاؤں پہ کھڑی ہونے کے قابل نہیں رہی تھی۔ یہ سب کیا ہو گیا تھا۔

"اس دن، اس دن جب میں گھر سے نکلی تھی تو میں نے صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں۔ یہ سب اسی لیے ہوا ہے فرشتے کہ میں دعا پڑھے بغیر گھر سے نکلی تھی، ہے نا۔" وہ نرمی سے اس کے بال سلجھا رہی تھی، جب وہ بھیگی آنکھوں اور رُندھے گلے سے کہنے لگی۔ فرشتے نے گہری سانس لی، کہا کچھ نہیں۔

"نہ تھا کہ اس کو اللہ سے کام آتا کچھ بھی، مگر ایک حاجت تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں، تو اس نے اسے پورا کیا۔" بہت دھیرے سے اس کے دل میں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ وہ یکلخت چونک سی گئی۔

"نہ تھا کہ اس کو اللہ سے کام آتا کچھ بھی، مگر ایک حاجت تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں، تو اس نے اسے پورا کیا۔"

اس نے سننے کی کوشش کی۔ کوئی اس کے اندر مسلسل یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔ دھیمی، مدھر آواز، ترنم اور سوز سے پُر۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ ایک دم سناٹے میں آگئی۔

یہ الفاظ، یہ بات، یہ سب، بہت جانا پہچانا تھا۔ شاید یہ ایک آیت تھی۔

ہاں، یہ آیت تھی، سورۃ یوسف، تیرہواں سپارہ، جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو غالباً "نظر بد سے بچاؤ کے لیے احتیاطاً" شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی تاکید کی تھی، تو اس پہ اللہ تعالیٰ نے جیسے تبصرہ کیا تھا کہ ان بھائیوں کو اگر اللہ کی مرضی و منشا ہوتی تو پھر اللہ کے فیصلے سے کوئی بھی نہ بچا پاتا، مگر وہ احتیاط تو یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک حاجت تھی، تو یعقوب علیہ السلام نے اسے پورا کیا۔

ایک خاموش لمحے میں اس پہ کچھ آشکار ہوا تھا۔ یہ جو ہوا تھا، اسے ایسے ہی ہونا تھا۔ وہ جو کر لیتی، یہ اللہ کی مرضی تھی، ہو کر رہی تھی، یہ اس کی تقدیر تھی، شاید اس کی دعاؤں نے اسے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا ہو، مگر کیا اس سے بھی کوئی بڑا نقصان ہو سکتا تھا؟ کوما، معذوری، بیزار شوہر، بدکتا ہوا بچہ۔ اب کیا رہ گیا تھا زندگی میں۔

"کتنا کم تم شکر ادا کرتے ہو!"

کسی نے پھر اس کو ذرا خفگی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ پھر سے چونکی اور قدرے مضطرب ہوئی۔ یہ کون اسے بار بار اندر ہی اندر مخاطب کرتا تھا؟ یہ کون تھا؟

"فرشتے، پلیز مجھے کچھ دیر کے لیے، پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ بہت بے بسی سے بولی تو فرشتے کا اس کے بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا۔ پھر اس نے جیسے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

"اوکے۔" اس نے برش سائیڈ پہ رکھا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"ہم نے بسایا تم کو زمین میں اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کے سامان بنائے، کتنا کم تم شکر ادا کرتے ہو۔" (سورۃ اعراف)

کوئی اس کے اندر ہی اندر اسے جھنجوڑ رہا تھا، پکار رہا تھا۔ اس کے اندر یا باہر اتنا شور تھا کہ وہ سن نہ پا رہی تھی، سمجھ نہ پا رہی تھی، فرشتے گئی تو اس نے آنکھیں موند لیں۔

اب اس کے ہر سو اندھیرا اتر آیا، خاموشی اور تنہائی، اس نے غور سے سننا چاہا، چند ملی جلی آوازیں بار بار گونج رہی تھیں۔

"ہم تم میں سے ہر ایک کو آزمائیں گے، شر کے ساتھ اور خیر کے ساتھ۔"

"کہہ دو، بے شک میری نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو رب ہے تمام جہانوں کا۔"

اس کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا، ایک دم اندر باہر روشنی بکھرتی گئی، اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

"میرا قرآن... میرا کلام پاک، میرا مصحف۔"

وہ کبھی بھی قرآن کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ اس روز بھی وہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ بلکہ بیگ میں رکھا تھا۔ جب وہ ایکسیڈنٹ کے بعد ادھر لائی گئی ہو گی تو یقیناً "وہ بھی ساتھ آیا ہو گا" پھر اسے ادھر ہونا چاہیے۔

مگر سات سال، اسے یاد آیا، وہ سات سال درمیان میں آگئے تھے۔ ان کے پیچھے تو ہر شے گویا دھول میں گم ہو گئی تھی۔ "او خدایا، وہ کیا کرے۔"

اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ یہ ایسی عجیب سی بات تھی، جس پہ اسے یقین ہی نہیں آتا تھا۔ وہ جتنا سوچتی اور الجھتی جاتی۔

تب ہی دروازہ ہولے سے کھلا، اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

تیمور دروازے میں ایستادہ تھا، جینز شرٹ پہنے اس کے بھورے بال ماتھے پہ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس کی ناک بالکل ہمایوں کی طرح تھی، کھڑی مغرور ناک اور آنکھیں محمل کی سی سنہری چمکتے کانچ جیسی۔

اور ماتھے کے وہ بل، وہ جانے کس جیسے تھے!

"تیمور۔" اس کو دیکھ کر محمل کی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔ اس کا تیمور تھا۔

"ادھر آؤ بیٹا۔"

"ویئر از مائی ڈیڈ؟" (میرے ڈیڈ کہاں ہیں؟) وہ اسی تنفر سے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ منہ پھٹ، اکھڑ، بدتمیز، اگر وہ اس کی ماں نہ ہوتی تو یہ تین الفاظ اس کے ذہن میں اس کے متعلق فوراً ابھرتے۔

"وہ ابھی آئے تھے، پھر چلے گئے۔ تم ماما سے نہیں ملو گے؟" اس نے ممتا سے مجبوراً اپنے بازو پھیلائے۔

"نہیں۔" اس نے باہر نکل کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ سُن ہو کر رہ گئی۔ بازو آہستہ سے پہلو میں آن گرے۔

یہ سات سال کا بچہ... اس کے دل میں اتنی نفرت، اتنی کڑواہٹ کیسے آگئی؟ کیا قصور تھا اس کا کہ وہ یوں اس سے متنفر تھا؟ اور صرف اس سے نہیں، بلکہ فرشتے سے بھی۔

بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

اور پھر وہ کب روتے روتے سو گئی اسے پتا بھی نہ چلا۔

☼ ☼ ☼

فزیو تھراپسٹ اسے ایکسرسائز کرانے کی ناکام کوشش کر کے جا چکی تھی۔ وہ اسی طرح دنیا سے بیزار آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ یہ دایاں بازو تو بالکل ٹھیک کام کرتا تھا۔ بایاں البتہ ذرا سا ڈھیلا تھا، مگر امید تھی کہ وہ بھی جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹانگوں کے متعلق کچھ کہنے سے ڈاکٹرز ابھی قاصر تھے۔ کبھی وہ کہتے کہ فزیو تھراپی سے آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور بعض اوقات وہ اس سب کا انحصار اس کی اپنی قوتِ ارادی پہ گردانتے۔ وہ قوتِ ارادی جس کو استعمال کرنے کی سعی ابھی وہ نہیں کر رہی تھی۔

ایک دم سے پھولوں کی مہک نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے دھیرے سے بازو ہٹایا اور آنکھیں کھولیں۔

فرشتے بڑا سا مہکتے سرخ گلابوں کا بُوکے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ اسکارف میں مقید چہرے پہ وہی مخصوص ٹھنڈی سی مسکراہٹ تھی۔

"السلام علیکم مائی سسٹر! کیسی ہو اور یہ فزیو تھراپسٹ کو کیوں تم نے بھگا دیا؟" وہ کانچ کے گل دان میں گلدستہ لگاتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے کسی فزیو کی ضرورت نہیں ہے، میں ٹھیک ہوں، یہ لوگ مجھے گھر کیوں نہیں جانے دے رہے؟"

"میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے، وہ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں عنقریب گھر شفٹ کر دیں گے۔" شاید ایک ہفتے تک تم مینٹلی بالکل ٹھیک ہو اور تمہیں مزید اسپتال میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ پھول سیٹ کر کے شاپر سے کچھ اور نکالنے لگی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

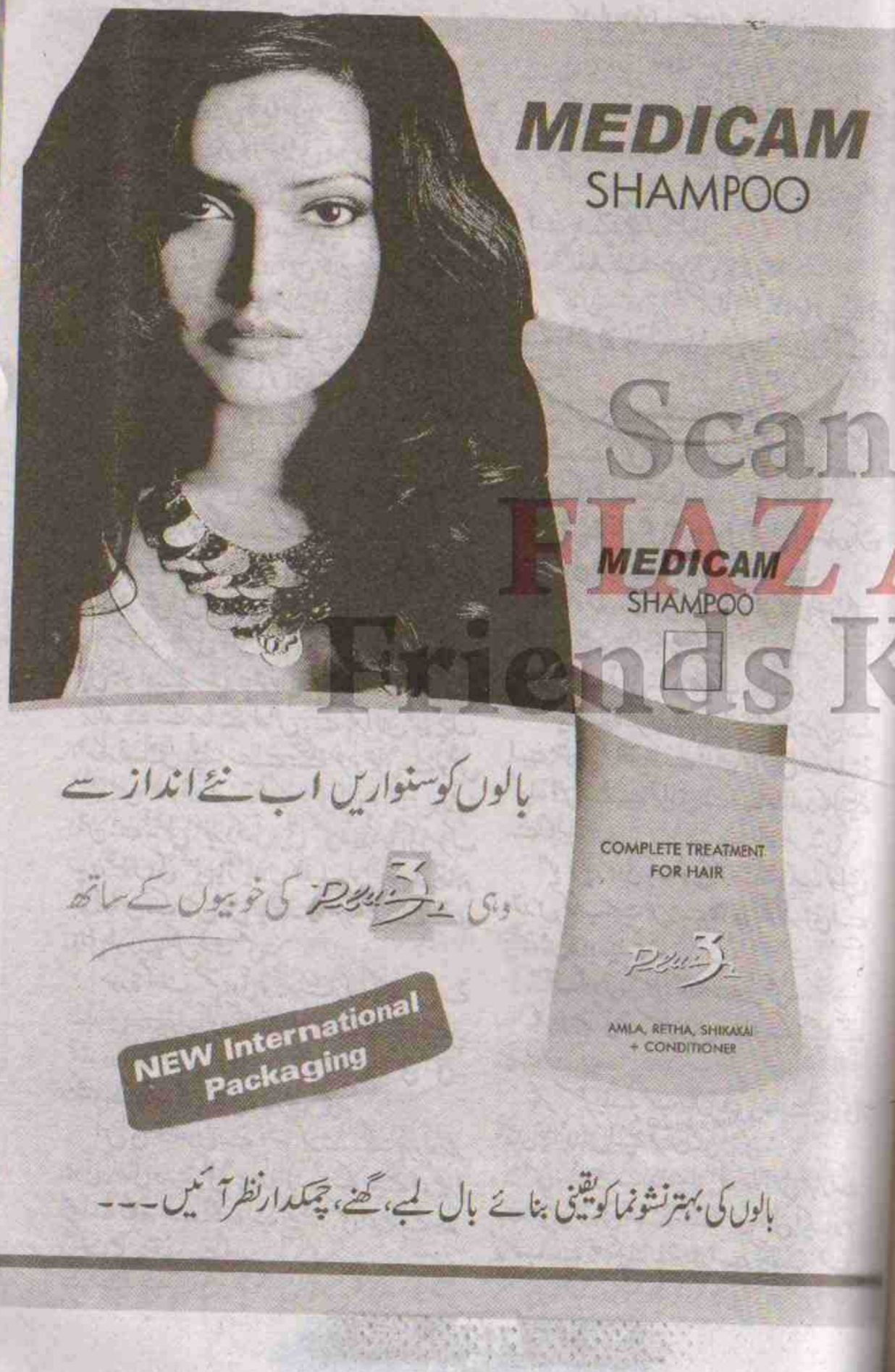

"اور تیمور نہیں آیا؟"

"اسے آنا تھا کیا؟" اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"ہاں' میں اسے روز ساتھ ہی لاتی ہوں' پتا نہیں' شاید لان میں بیٹھا ہو' ابھی آجائے گا۔" وہ کہہ کر خود ہی شرمندہ ہوئی۔

محمل نے پھر سے چہرے پہ بازو رکھ لیا۔ وہ اب یوں ہی ساری دنیا سے چھپ جانا چاہتی تھی۔

فرشتے روز صبح آتی تھی۔ پھر دوپہر میں چلی جاتی' اور گھنٹے بھر بعد تیمور کو ساتھ لیے آتی۔ وہ باہر ہی پھرتا رہتا' اندر نہ آتا' پھر عصر کے وقت فرشتے چلی جاتی' غالباً" اسے مسجد جانا ہوتا تھا' رات کو وہ پھر ایک چکر لگا لیتی۔ چھٹی کے دن وہ تیمور کو صبح سے ہی ساتھ لے آتی اور باقی دنوں میں اس کے اسکول کے باعث دوپہر میں لاتی' ہاں رات کو تیمور اس کے ساتھ نہیں آتا تھا۔ اور ہمایوں' وہ تو بس ایک ہی دفعہ آیا تھا۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ "وہ شاید بزی ہوگا" والا جواب فرشتے خوب شرمندہ ہو کر دیتی۔

وہ دن میں تین' تین چکر لگاتی' گویا گھن چکر بنی رہتی۔ محمل کا ہر چھوٹا بڑا کام کرتی اور نہیں تو اس کے ساتھ بیٹھی تسلی اور پیار کی باتیں کرتی رہتی۔ اب بھی وہ جانے کیا چیز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ محمل کو کھٹ کھٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر وہ یوں ہی بیزار سی منہ پہ بازو رکھے لیٹی رہی۔ اور پھر آہستہ سے وہ مترنم آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔

"سب تعریف اس اللہ کی' وہ ذات جس نے اپنے بندے پہ کتاب اتاری اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں بنایا۔"

اس نے جھٹکے سے بازو ہٹایا۔

فرشتے ٹیپ ریکارڈر سیٹ کر کے ہاتھ میں پکڑے کیسٹ کور بند کر رہی تھی۔ محمل کی طرف اس کی پشت تھی۔ "درست کرنے والی" (کتاب) تاکہ وہ اپنے پاس موجود سخت عذاب سے ڈرائے' اور خوش خبری دے ان مومنوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔"

وہ یہ آواز لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ قاری مشاری کی سورۃ الکہف۔

"وہ رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ اور ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔"

لفظ بوند بوند اس کی سماعت میں اتر رہے تھے۔ آج جمعہ تھا اور وہ ہمیشہ جمعے کو سورۃ کہف پڑھا کرتی تھی۔

"نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کے پاس ہے۔ ان کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلتی ہے' وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔"

کھٹ سے فرشتے نے اسٹاپ کا بٹن دبایا تو آواز رک گئی' اس نے تڑپ کر فرشتے کو دیکھا۔

"لگا دیں نا۔ بند کیوں کر دی؟"

"او' تم جاگ رہی تھیں۔" وہ چونک کر پلٹی۔ "میں سمجھی' تم سو گئی ہو' میں نے سوچا تمہیں تنگ نہ کروں۔"

"کوئی قاری مشاری کی سورۃ کہف سے بھی تنگ ہو سکتا ہے بھلا؟ اس میں تو میری جان مقید ہے فرشتے! آپ کو یاد ہے' جب جمعے کو کلاس میں سورۃ کہف شروع ہوئی تھی تو "الحمد للہ الذی" ہی پہ میرے آنسو گرنے لگتے تھے۔"

"تمہارے آنسو اب بھی گر رہے ہیں محمل بی!" وہ آہستہ سے اس کے قریب آن بیٹھی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

محمل کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم تیمور اور ہمایوں کی وجہ سے اپ سیٹ ہو۔ بھول جاؤ ان کی ناقدریاں محمل! وہ ناسمجھ ہیں' ان کی وجہ سے اپنا چین سکون برباد نہ کرو' وہ وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ جائیں گے' مگر ایک بات تمہیں ذہن میں بٹھا لینا چاہیے کہ تمہاری زندگی ان پہ انحصار نہیں کرتی' تم ان کے بغیر نہیں مر جاؤ گی' ان کے بغیر جینا سیکھو محمل! خود کو اسٹرانگ کرو اور۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔ "مگر ابھی آپ سورۃ کہف لگا دیں نا' پلیز مجھے سننا ہے۔"

فرشتے ذرا سی حیران ہوئی' پھر گہری سانس لے کر

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

ہوئی تو وہ آہستہ سے چونکا۔ قدم ڈرتے ڈرتے چھوٹے چھوٹے
ہاتھ رکے اور سر اٹھایا۔ حمل کو آتے دیکھ کر اس کے
ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ اس نے ٹرے کا چھوٹا نوالہ زور سے
پلیٹ میں واپس پھینکا اور کرسی پیچھے کو دھکیلی۔

"تیمور! مجھے تم سے بات کرنا ہے۔"

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو۔" (میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا) وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مگر مجھے کرنا ہے اور یہ تمہارے ڈیڈ کا میسج ہے میرا نہیں۔"

"واٹ؟" وہ لمحے بھر کو رکا۔ ماتھے پہ بل اور بھنویں تن گئیں۔

"شاید میں اس گھر سے چلی جاؤں شاید اب ہم ساتھ نہ رہیں میں اور تمہارے ڈیڈی۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔"

"تیمور! تم کس کے ساتھ رہنا چاہو گے؟ میرے ساتھ یا ڈیڈی کے ساتھ؟" وہ پوچھ رہی تھی کہ تیمور کا جواب کم از کم اس کے حق میں ہو گا مگر پھر بھی پوچھ لیا۔

"کسی کے بھی ساتھ نہیں۔" اس نے بے زاری سے شانے اچکائے تھے۔

"مگر بیٹا! آپ کو کسی کے ساتھ تو رہنا ہی ہو گا۔"

"میں آپ کا نوکر ہوں جو کسی کے ساتھ رہوں؟ جسٹ لیو می الون۔" وہ ایکدم زور سے چیخا تھا اور پھر کرسی کو ٹھوکر مار کر اندر چلا گیا۔

وہ تاسف سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ یہ رنگ لہجہ، یہ بدمزاجی، یہ اکھڑ مزاجی، یہ کس نے تیمور کے اندر ڈالا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ اس کے باپ کو مورد الزام ٹھہراتی، ایک منظر سا اس کی نگاہوں کے سامنے بننے لگا۔

جینز کرتے میں ملبوس، کھلی پونی ٹیل والی ایک لڑکی چہرے پہ دنیا جہاں کی بے زاری سجائے چلا رہی تھی۔

"میں آپ کے باپ کی نوکر ہوں جو یہ کروں؟"

اس کے الفاظ بہت سے چہرے تھے، جبھی کل مہتاب بیگم حسرت بھری کر رہ گئی تھیں۔

اسے وہ منظر چبھنے لگا جو حزن اور تاسف بھری یاد تھی اور اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"ہاں! یہ جو اپنے بچوں سے جیسا کرتا ہے اس کے بچے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کرتے ہیں۔" حمل اس کے اندر بولا تھا۔

راستہ ایک ہی ہے "اس۔ انسان ایک وقت تک چلتا ہے کوئی مگر آخر وہ وہیں آپہنچتا ہے قدموں کے نشان چھوڑتا ہے بچوں کو اگر جاتے ہیں حمل کو اور جان کے والے کانٹے ہی چنے ہیں اور جنہوں نے پھول بکھیرے وہاں ان کا انتظار گلشن کر رہے ہوتے ہیں۔"

"حمل! آپ کی کیا بات؟" وہ خیالوں سے جاگی اور وہ غصے سے اپنی آنکھیں رگڑ رہی۔

"کیا میں نے آپ کو ایک سٹاف؟" فرشتے جیسے بے یقینی سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"حمل بیٹا اس کے قریب جھکتے ہوئے سر اٹھایا۔

"حمل! تم اور ڈیڈی الگ ... تم الگ ہو رہے ہو؟" وہ تحیر سی کھڑی اس کے سامنے زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور دونوں ہاتھ اس کے گود میں دھرے ہاتھوں پہ رکھے۔

"ہاں۔ شاید۔"

"مگر تم نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟" وہ مضطرب سی اس کی آنکھوں میں دیکھتی جواب تلاش کر رہی تھی۔

"میں نے نہیں کیا۔ انہوں نے کیا ہے۔"

"کیا اس نے خود تمہیں ایسا کہا ہے؟"

"ہاں۔"

"تو تم نے مان لیا؟" وہ بے یقین تھی۔

"میرے پاس اور کوئی راستہ ہے کیا؟"

فرشتے کچھ کہ کر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مکمل ناول

نمرہ احمد

مصحف

محمل ابراہیم' آغا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طرح دار بیٹی ہے۔ بچپن میں ہی آغا ابراہیم کے انتقال کے بعد تایا آغا کریم اور چچاؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا قلق محمل کو ہے۔ گھر والوں خصوصاً" تائی مہتاب کا رویہ ماں بیٹی کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و ضروریات کے لیے محمل ٹیوشن سینٹر میں پڑھاتی ہے۔

آغا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آغا کریم اور مہتاب تائی' فواد' حسان' وسیم' سدرہ اور مہرین کے ساتھ مقیم ہیں۔ آغا ابراہیم کے جڑواں بھائی آغا غفران اور فضہ چچی کے تین بچے حسن' ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آغا اسد اور ناعمہ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو' معیز اور معاذ ہیں جبکہ رضیہ پھپھو کی ایک صاحبزادی فائقہ بھی ہیں۔ خاندان بھر میں تائی مہتاب اور آغا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو' فائقہ اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محمل کو تائی مہتاب کے خاندان کی اس دکھتی رگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے نظر انداز کرتی ہے تو وہ اس پر چونک جاتا ہے۔ آرزو' سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور ذہانت سے حسد ہے۔

کالج جاتے ہوئے ہر روز اسے ایک پراسرار سیاہ فام لڑکی ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلد کی کتاب محمل کی توجہ کھینچتی ہے۔ وہ لڑکی محمل کو بتاتی ہے کہ اس کتاب میں ماضی' حال' مستقبل کا احوال ہے۔ اور اس میں حالات اپنے گرفت میں کرنے کا نسخہ ہے۔ محمل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محمل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محمل' آغا کریم کو بتاتی ہے کہ بہترین تعلیمی ریکارڈ پر اسے جلد ہی برٹش کونسل کی جانب سے لندن کی اسکالرشپ مل

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

جائے گی۔ وہ راستہ صاف ہو جانے کی اس نوید پر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ ایروناٹیکل انجینئر فرقان کا رشتہ سدرہ کے بجائے محمل کے لیے دے دیا جاتا ہے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ تائی مہتاب فوراً" انکار کر دیتی ہیں۔ جس پر محمل اور مسرت کو بہت رنج ہوتا ہے۔ فواد اس سے ہمدردی جتاتا ہے اور اسے فیکٹری میں آفر شپ دینے اور جاب کرنے کے لیے آغا جان سے بات کرتا ہے۔ جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالات سے تنگ آ کر محمل اس پر اسرار لڑکی سے سیاہ جلد والی کتاب لے آتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے قبل ہی تائی مہتاب سب کے ساتھ اسے رنگے ہاتھوں پکڑتی ہیں۔ لیکن پتہ چلتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ محمل سمیت سب دنگ رہ جاتے ہیں۔ تائی مہتاب اپنی بے عزتی پر بے حد تلملائی ہیں۔ محمل غصہ میں آ کر سیاہ فام لڑکی کو قرآن شریف واپس کر آتی ہے اور اسے سخت سست بھی سناتی ہے۔ اس ردِعمل پر وہ لڑکی بجھ سی جاتی ہے۔

آغا فواد سب سے چھپ کر محمل کو فیکٹری لے جانے لگتا ہے اور اسے منع کرتا ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ اسے بیش قیمت ملبوسات بھی دلواتا ہے تاکہ سدرہ کی منگنی پر وہ اپنی حیثیت کے مطابق نظر آئے۔ محمل اپنی سادگی میں اسے فواد کی محبت سمجھتی ہے۔ حسن، محمل کو فواد کے سائے سے بھی دور رہنے کی تنبیہہ کرتا ہے تو محمل کو برا محسوس ہوتا ہے۔ میریٹ میں ڈنر کا جھانسہ دے کر فواد، محمل کو اپنے ساتھ جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ راستے میں کسی ڈیل کے نہ ہونے پر نقصان کا ڈراما رچا کر محمل کو کلائنٹ کے پاس بھیجتا ہے۔ وہاں جا کر محمل کو آغا فواد کے اصل چہرے کا ادراک ہوتا ہے۔ فواد نے اے ایس پی کے سامنے محمل کو بطور چارہ استعمال کیا تھا اس صورتِ حال پر محمل چکرا کر رہ جاتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ آغا فواد اس کا بھائی ہے۔

انسپکٹر ہمایوں، محمل کی آغا فواد سے بات کرواتا ہے تو وہ اسے رات اسی کے ساتھ رہنے کو کہتا ہے۔ محمل اس دھوکہ دہی پر ششدر رہ جاتی ہے۔ اس صدمے سے وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ اسے ایک کمرے میں قید کر لیا جاتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بذریعہ چھت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس کوٹھی کے برابر میں مدرسہ ہے۔ جہاں اس کی ملاقات فرشتے نامی لڑکی سے ہوتی ہے جو وہاں دین کی تعلیم دیتی ہے۔ فرشتے جان لیتی ہے کہ محمل اس وقت مشکل میں ہے۔ انسپکٹر ہمایوں اس کا کزن ہے۔ ہمایوں کے وہاں پہنچنے پر محمل کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے گھر، انسپکٹر ہمایوں کے ساتھ جائے۔ کچھ سوچ کر محمل فرشتے کی بات مان لیتی ہے۔ گھر پہنچنے پر اس کے ساتھ روایتی سلوک ہوتا اور آغا کریم اور تمام چچا اسے گھر سے نکال دینے کے درپے ہوتے ہیں کہ انسپکٹر ہمایوں کی آمد سب کو چونکا دیتی ہے۔ محمل سب کو بتاتی ہے کہ کس طرح آغا فواد نے دھوکے سے اسے ڈیل کا حصہ بنایا۔ سوائے حسن اور مسرت (ماں) کے سب اسے جھٹلاتے ہیں۔ وہ آغا فواد کی سرگرمیوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ کروا دیتی ہے۔ تائی جان اسے مارنے کو لپکتی ہیں تو سب انہیں روک دیتے ہیں۔ آغا فواد گرفتار ہو جاتا ہے۔ مصلحتاً" محمل کو گھر میں رہنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ مسرت سے محمل کی بات چیت بند ہے۔ وہ اس معاملے میں محمل کو بھی قصوروار سمجھتی ہیں۔ محمل فرشتے سے ملنے دوبارہ مدرسے جاتی ہے تو وہ اسے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ وہ اس بات کو خاص اہمیت نہیں دیتی، لیکن مصروفیت کے لیے اس کا مشورہ مان لیتی ہے۔ دینی تعلیم اسے ذہنی و روحانی سکون بخشتی ہے۔ اس دوران انسپکٹر ہمایوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے رابطے کے لیے اپنا سیل نمبر دیتا ہے۔ وہ آغا فواد کے خلاف محمل کو وعدہ معاف گواہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بات جب گھر والوں کے علم میں آتی ہے تو وہ محمل کو بری طرح زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ 'رو رو کر' ان سب کو بددعا دیتی ہے۔ حسن گھر والوں کے اس سلوک پر ششدر رہ جاتا ہے۔ مسرت، محمل کو آغا فواد کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے کا کہتی ہیں۔ محمل، انسپکٹر ہمایوں کو تمام صورتِ حال بتاتی ہے تو وہ اسے مصلحتاً جھوٹ بولنے کا مشورہ دیتا ہے۔ تایا کریم اسے جائیداد میں حصہ دینے کا جھانسہ دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ انسپکٹر ہمایوں داؤد کے خلاف کورٹ میں بیان دے تو اسے اس کا حصہ مل جائے گا' وہ ان کا ساتھ دینے کی حامی بھر لیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۶

چھٹی اور آخری قسط

"فرشتے! میرے اختیار میں نہ کل کچھ تھا' نہ آج ہے۔ ہمایوں نے فیصلہ سنانا تھا' سنا دیا۔ اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو کیا میں اسے مجبور کروں؟ نہیں۔" اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ "اگر وہ علیحدگی ہی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں مصالحت کی آخری کوشش ضرور کروں گی' مگر اس سے بھیک نہیں مانگوں گی۔"

"پھر.... پھر کیا کروگی؟ کدھر جاؤ گی؟"

"فرشتے! میں ہمایوں کی محتاج نہیں ہوں۔ اللہ کی دنیا بہت بڑی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو لے کر کہیں بھی چلی جاؤں گی۔"

"تم اس کے بغیر رہ لوگی؟"

"کیا وہ میرے بغیر نہیں رہ رہا؟" وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"مگر کیا تم خوش رہوگی؟"

"اگر اللہ نے میرے مقدر میں خوشیاں لکھی ہیں تو وہ مجھے مل ہی جائیں گی' بھلے ہمایوں میرے ساتھ ہو یا نہ ہو۔"

فرشتے تأسف سے اسے دیکھتی رہی۔

"آئی ایم ویری سوری محمل! اگر تم کہو تو میں اسے اس کا فیصلہ بدلنے کو...."

"نہیں۔" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "آپ اس معاملے میں نہیں بولیں گی۔"

"مگر ایک دفعہ مصالحت کی ایک کوشش تو۔"

"پلیز فرشتے! مجھے بھکاری مت بنائیں!" اس نے کچھ ایسی بے بسی سے کہا تھا کہ فرشتے لب کاٹتی رہ گئی۔

"مگر.... وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا اس نے تمہیں وجہ بتائی ہے؟"

"کیا میں نہیں جانتی؟ ہونہہ!" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "وہ ایک معذور عورت کے ساتھ کب تک رہتے' کب تک میری خدمت کرتے؟ وہ میری بیماری سے اکتا گیا ہے' میں جانتی ہوں۔"

"کیا یہی واحد وجہ ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"واللہ اعلم خیر' جو بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا' اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس پہ اپنے دل کو بھی راضی کر لینا۔ لَو یو سسٹر!" اس نے اپنے ہاتھ محمل کے ہاتھوں سے ہٹائے اور ہولے سے اس کا گال تھپتھپاتی کھڑی ہو گئی۔

"بس یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں اور جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتیں' میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ او کے۔"

محمل نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

جب سے ہمایوں نے علیحدگی کی بات کی تھی' وہ لاکھ فرشتے کے سامنے خود کو صابر شاکر ظاہر کرتی' اندر سے وہ مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس کی یادداشت میں ہمایوں کے ساتھ بیتا ایک ہی سال تھا۔ باقی کے ماہ و سال ذہن کے پردے پہ اترے بغیر ہی سرک گئے تھے۔

اور وہ ایک سال جو اس نے اس گھر میں محبتوں اور چاہتوں کے بیچ گزارا تھا.... جب وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ وہ کینڈل لائٹ ڈنرز' وہ لانگ ڈرائیوز' وہ روز ہمایوں کے لیے تیار ہونا' وہ ٹیرس پہ جا کر رات کو باتیں کرنا' وہ ایک ساتھ کی گئی شاپنگز.... ہر شے اس کی یادداشت پر سے کسی فلم کی طرح گزرتی تھی اور ہر یاد اس کے دل پہ مزید آنسو گراتی جاتی تھی۔

اور اگر تیمور بھی اس کے ساتھ نہ رہا' تب وہ کیا کرے گی؟ کدھر جائے گی؟ اگر ہمایوں نے اسے گھر سے نکال دیا' تو وہ کہاں رہے گی؟ کیا اپنے چچاؤں کے

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

پاس؟ کیا وہ اسے رکھیں گے؟ یا فرشتے کے ساتھ؟ مگر فرشتے تو خود تنہا تھی۔ ہمایوں کے گھر میں مہمان تھی۔ پھر وہ کیا کرے گی؟

یوں لگتا تھا کہ چلچلاتی دھوپ میں اسے لا کھڑا کیا گیا تھا۔ نہ چھت، نہ سائبان، مستقبل کا خوف کسی بھیانک آسیب کی طرح اس کے دل سے چمٹ گیا تھا۔

بار بار یہ سوال ذہن میں اٹھتے اور وہ بمشکل ان کو جھٹلا پاتی۔

اور پھر آخر کب تک وہ ان کو یوں جھٹکے گی؟ کبھی نہ کبھی تو اسے ان کا جواب چاہیے ہوگا اور جس کتاب سے جواب مل جایا کرتے تھے اس کے صفحے بار بار ایک ہی آیت سے کھل جاتے تھے۔ کبھی ایک جگہ سے کھل جاتی تو کبھی دوسری جگہ سے اور یہی قصہ سامنے آجاتا۔

"اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطتہ"

مگر ہیکل سلیمانی کا دروازہ کہاں تھا؟ وہ تو بن سواری کے شہر سے نکال باہر کی جا رہی تھی۔ اندر کیسے جاتی؟

وہ سہ پہر بہت زرد سی اتری تھی۔ بلقیس نے اسے بیڈ سے وہیل چیئر پہ بٹھایا اور باہر لے آئی۔

تیمور لاؤنج میں صوفے پہ کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی، اور پھر نگاہیں کتاب پہ جما دیں۔ وہ پیاسی نظروں سے اسے تکتی رہی، یہاں تک کہ بلقیس وہیل چیئر لاؤنج کے داخلی دروازے تک لے آئی۔

دروازے کی چوکھٹ پہ لگے گلاس بیل بوٹوں اور نقش و نگار کے درمیان اسے صوفے پہ بیٹھے تیمور کا چہرہ نظر آیا جو بہت غور سے اسے باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔

بلقیس وہیل چیئر لان میں لے آئی۔ تازہ ہوا کا جھونکا چہرے سے ٹکرایا تو بھورے بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ اس نے آنکھیں موند کر لمحے بھر کو موسم کی تازگی اپنے اندر اتارنا چاہی۔ تب ہی دیوار کے اس پار سے مدھم مدھم سی بھنبھناہٹ سماعت میں اتری۔

"اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاتی ہے۔"

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ اسے گھر آئے مہینہ ہونے کو آیا تھا مگر وہ کبھی مسجد نہیں گئی تھی۔ نہ جانے کیوں؟

"بلقیس! مجھے مسجد لے چلو۔" ایک دم سے اس کا دل مچل گیا تھا۔

بلقیس نے فرماں برداری سے سر ہلا کر وہیل چیئر کا رخ موڑ دیا۔

"فرشتے کدھر ہیں؟" اس نے سوچا کہ اسے بھی ساتھ لے لے۔

"وہ کھانا کھا کر سو گئی تھیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ جانتی تھی فرشتے تھکی ہوئی ہوگی۔ صبح تبھی وہ فزیو تھراپسٹ کے ساتھ محمل کی ایکسرسائزز اور پھر مساج کرنے میں لگی رہی تھی۔ پھر سبزی لانا اور گھر کی نگرانی۔ وہ شام کو مسجد جائے گی ہی پھر ابھی اسے کیوں تھکائے سو اس نے فرشتے کو بلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مسجد کا ہرا بھرا گھاس سے مزین لان ویسا ہی خوب صورت تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ سفید ستونوں پہ کھڑی عالیشان، اونچی عمارت، چمکتے سنگ مرمر کے برآمدے... کونوں میں رکھے سبز لہلہاتے گملے شور مچاتی دنیا سے دور، ہنگامے سے پاک "ٹھہرا ہوا" کونا کونا سکون میں ڈوبا ماحول۔

مسجد کے اندر کوئی اور ہی دنیا تھی۔ ٹھنڈی، تازگی بھری، باوقار سی دنیا۔ اس کے در و دیوار سے سکون ٹپکتا تھا۔

وہ جیسے بچوں کی طرح کھل اٹھی تھی۔ آنکھوں میں چمک آگئی اور بے اختیار ادھر ادھر گردن گھماتی وہ ہر ہر شے دیکھ لینا چاہتی تھی۔ بلقیس آہستہ آہستہ وہیل چیئر آگے بڑھا رہی تھی۔

برآمدے میں سنگ مرمر کی چمکتی سیڑھیاں اترتی تھیں۔ ان پہ مسلسل اوپر نیچے لڑکیاں آجا رہی تھیں۔ سفید یونیفارم کے اوپر لائٹ گرین اسکارف، یا رسٹ

کلر کے اسکارف پہنے، وہ مسکراتی ہوئی خوش باش لڑکیاں، ہاتھوں میں قرآن اور کتابیں پکڑے ہر کسی کو مسکرا کر سلام کرتیں آس پاس نظر آرہی تھیں۔

"وعلیکم السلام... وعلیکم السلام..." وہ مسکرا کر ہر ایک کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔ وہ وہاں کسی کو نہیں جانتی تھی اور کوئی اسے نہیں جانتا تھا پھر بھی سلام کرنا اور سلام میں پہل کرنے کی حرص رکھے، ہر کوئی پاس سے گزرتے ہوئے سلام کرتا تھا۔ اس کا پور پور خوشی میں ڈوب رہا تھا۔ یہ ماحول، یہ در و دیوار... یہ تو اس کی ذات کا حصہ تھے۔ وہ کیسے اتنا عرصہ ان سے کٹی رہی؟

وہ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے وہیل چیئر پہ بیٹھی مسلسل سب کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔ نہ کسی نے رک کر ترس سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے۔ نہ کسی نے ترحم بھری نگاہ ڈالی۔ نہ کوئی تجسس نہ کرید۔ وہ کونے میں وہیل چیئر پہ بیٹھی ساری چہل پہل دیکھ رہی تھی۔

پھر کتنی ہی دیر وہ ادھر ہی بیٹھی رہی، یہاں تک کہ بلقیس نے مرکز تک جانے کی اجازت مانگی۔

"رات صاحب کے کوئی سرکاری مہمان آنے ہیں اور فرشتے بی بی نے مجھے گوشت بنوانے کو کہا تھا، میں بھول ہی گئی۔ آپ بیٹھو میں لے آتی ہوں۔"

"نہیں، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی، آج دل کر رہا ہے دنیا کو پھر سے دیکھنے کا۔"

ایک الوہی سی چمک نے محمل کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ وہ اس ماحول میں آکر جیسے بہت خوش تھی اور اس خوشی کو اپنے اندر سمیٹ کر اب وہ دنیا کا مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

آج اسے بازار جانے سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔

بلقیس عادتاً "چھوٹی موٹی ادھر ادھر باتیں کرتی اس کی وہیل چیئر چلاتی مرکز تک لے آئی۔ مرکز وہاں سے بہت قریب پڑتا تھا۔ وہ گوشت بنوانے دکان میں چلی گئی بلکہ محمل باہر بیٹھی رہی۔

گاڑیاں بہت تیزی سے گزر رہی تھیں، لوگ بہت اونچا بول رہے تھے۔ موٹر سائیکلیں بہت شور مچا رہی تھیں۔ روشنیاں بہت تیز تھیں۔

ذرا سی دیر میں ہی سارا سکون ہوا ہو گیا۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔

"جلدی کرو بلقیس!" وہ لفافے تھامے دکان سے باہر آئی تو محمل سخت اکتا چکی تھی۔

"بس بی بی! یہ سامنے والے پلازہ میں ہوٹل ہے۔ تیمور بابا کے لیے پزا لے لوں۔ ورنہ بابا کھانا نہیں کھائے گا۔ بس بی بی، پانچ منٹ۔"

وہ تیز تیز وہیل چیئر دھکیلتی کہہ رہی تھی۔ محمل نے بے زاری اور بے چینی سے سڑک کو دیکھا۔ وہ فراٹے بھرتی گاڑیاں اسے بہت بری لگ رہی تھیں۔ ایسی ہی کسی گاڑی نے کبھی اسے ٹکر ماری تھی۔

بلقیس ایک فاسٹ فوڈ کے سامنے اسے کھڑا کر کے اندر چلی گئی، اور وہ اس ریسٹورنٹ کی گلاس والز کو تکتے اس گاڑی کو یاد کرنے لگی جس نے اسے ٹکر ماری تھی۔ نہ جانے وہ کون تھا یا تھی؟ پکڑا بھی گیا یا نہیں؟

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تتلیاں پھول اور خوشبو
راحت جبیں
قیمت... -/225 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37- اردو بازار، کراچی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED friendskorner.com

کیا ہمایوں نے اس پہ مقدمہ کیا ہوگا؟ اسے جیل بھیجا ہوگا؟ مگر یوں مقدمہ کرنے سے اس کا نقصان پورا تو نہیں ہو سکتا تھا۔

"خیر جانے دو، میں نے معاف کیا سب کو۔"

اس نے سر جھٹکا اور پھر بے چین و منتظر نگاہوں سے ریسٹورنٹ کی گلاس وال کو دیکھا۔ بلقیس جانے کہاں گم ہوگئی تھی۔

وہ یونہی بے زاری سے نگاہ اِدھر اُدھر گھماتی رہی اور دفعتاً" بری طرح ٹھٹکی۔ ریسٹورنٹ کی گلاس وال کے اس طرف کا منظر صاف واضح تھا۔

کونے والی میز پہ بیٹھا وہ مسکراتے ہوئے، والٹ کھولتا ہمایوں ہی تھا۔ وہ ٹک ٹک اس کی مسکراہٹ کو دیکھے گئی۔ کیا اسے مسکرانا یاد تھا؟ کیا اسے مسکرانا آتا تھا؟

اور تب اس کی نظر ہمایوں کے مقابل بیٹھی لڑکی پہ پھسلی۔ شولڈر کٹ بال، سلیولیس شرٹ، دوپٹہ ندارد، کمان کی طرح پتلی آئی بروز..... وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی اور ہمایوں سر جھٹک کر مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

اس لڑکی کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ آرزو تھی۔ وہ واقعی آرزو ہی تھی۔

ہمایوں اب والٹ سے چند نوٹ نکالتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا جبکہ وہ ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی واضح اور عیاں تھی۔

"تو یہ بات تھی ہمایوں داؤد! تمہیں آرزو ہی ملی تھی؟"

اس نے غم سے لب کاٹتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔ فرشتے ٹھیک کہتی تھی۔ یقیناً" وجہ کوئی اور تھی۔ اس کی معذوری کا تو بہانہ تھا۔ اصل وجہ تو وہ پتلی کمان سی ابرو والی شاطر لڑکی تھی جو اس کے شوہر کے ساتھ سرِعام لنچ کر رہی تھی۔

اس نے کہا تھا، وہ ہمایوں کو اس سے چھین لے گی، اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

محمل نے کرب سے سوچا۔

مغرب کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، جب بلقیس اس کی وہیل چیئر دھکیلتی گھر کے گیٹ میں داخل ہوئی۔

اس کے سامنے ایک ہی منظر تھا، کونے کی ٹیبل پہ بیٹھے ہنستے مسکراتے دو نفوس، ایک جانا پہچانا سا فرد، اور ایک جانی پہچانی سی عورت۔

وہ اجڑی اجڑی سی صورت لیے گم صم سی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھی۔ بلقیس کب اسے کمرے تک لائی اسے کچھ علم نہ تھا۔

کسی نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی، اور پھر گردن اٹھا کر سامنے دیکھا۔

فرشتے حیران سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ زرد شلوار قمیص میں ملبوس، دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے اس نے گیلے بھورے بال سمیٹ کر دائیں شانے پہ ڈال رکھے تھے۔ شاید ابھی وہ نہا کر آئی تھی۔

"کدھر گم ہو محمل؟ کب سے تمہیں بلا رہی ہوں۔" وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ دائیں شانے پہ پڑے اس کے گیلے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک کر دامن کو بھگو رہے تھے۔

"آپ ٹھیک کہتی تھیں فرشتے۔" وہ جیسے ہار گئی تھی۔ فرشتے کو لگا، وہ رو رہی ہے، مگر اس کے آنسو باہر نہیں اندر گر رہے تھے۔

"میں نے آج خود ان دونوں کو دیکھا ہے۔"

"کن دونوں کو؟" وہ بری طرح چونکی۔

"ہمایوں اور..... اور آرزو کو۔"

"آرزو؟ اسد انکل کی بیٹی آرزو؟"

"ہاں وہی۔ کیا اسد چچا کی ڈیتھ ہوگئی ہے؟"

"تم نے انہیں کدھر دیکھا؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی تھی۔

"مرکز کے ایک ریسٹورنٹ میں۔ وہ دونوں لنچ کر رہے تھے یا شاید ہائی ٹی۔ فرشتے! ہمایوں ہنس رہے تھے، میں تو سمجھی تھی کہ وہ ہنسنا ہی بھول گئے ہیں۔"

"مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ..... پتا نہیں مگر....." وہ مذبذب تھی، کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"مجھے پتا ہے، وہ آرزو کی وجہ سے میرے ساتھ یوں کر رہے ہیں۔ اس نے کہا تھا وہ ہمایوں کو مجھ سے چھین لے گی۔ اور اس نے یہ کر دکھایا۔ کیا وہ کبھی اس گھر میں آئی ہے؟"

"ہاں وہ اکثر آتی رہتی ہے۔ مگر تمہارے گھر شفٹ ہو جانے کے بعد وہ کبھی نہیں آئی۔"

"واقعی؟" اسے حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ آخر وہ کس حیثیت سے آتی تھی اس کے گھر؟

"آپ نے اسے نکالا کیوں نہیں؟ اندر کیوں آنے دیا؟"

"یہ میرا گھر نہیں ہے محمل! مجھے اس کا حق نہیں ہے۔"

محمل چپ سی ہوگئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

"ہمایوں کے کچھ گیسٹ آنے ہیں چائے پہ۔ ابھی آنے والے ہوں گے، میں ذرا کچن دیکھ لوں۔" وہ اس کے ہاتھوں سے ہاتھ نکال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گیلے بال شانے سے پھسل کر کمر پہ جا گرے۔

"آپ..... آپ بہت اچھی ہیں فرشتے۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"وہ تو مجھے پتا ہے۔" وہ نرمی سے مسکرائی، اور زرد دوپٹے کا پلو سر پہ ڈالا، پھر اچھی طرح چہرے کے گرد حصار سا بنا کر دایاں پلو بائیں کندھے پہ ڈال دیا۔ یوں کہ بال اور کان چھپ گئے۔

"تم آرام کرو۔" وہ باہر نکل گئی اور محمل وہیں اداس، ویران سی بیٹھی رہ گئی۔

باہر سے چہل پہل کی مدھم مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ کافی دیر بعد اس نے کھڑکی سے ہمایوں کی گاڑی کو آتے دیکھا تھا۔ اس کے ہمراہ دو تین معزز اشخاص بھی تھے۔ ہمایوں اسی لباس میں تھا جس میں ابھی شام میں آرزو کے ساتھ بیٹھا تھا۔ گویا وہ واقعی وہی تھا، یہ اس کا واہمہ نہ تھا۔

وہ حسرت و یاس سے کھڑکی سے لگی ان کو اندر جاتے دیکھتی رہی۔ اس کے کمرے میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ باہر روشنی تھی۔ باہر والے اسے نہیں دیکھ سکتے تھے، اور وہ "باہر والا" تو شاید اب کبھی بھی اسے نہ دیکھ سکے۔ اس کے پاس اب بہتر انتخاب تھا، جوان، اسٹائلش، زندگی سے بھرپور عورت، بے شک وہ محمل کی طرح خوب صورت نہ تھی، مگر اس کی تراش خراش کی گئی شکل "اب" کی محمل سے حسین لگتی تھی۔

کیا کبھی حالات بدلیں گے؟ کیا کبھی ہمایوں لوٹے گا؟ کیا کبھی اس کی معذوری ختم ہوگی؟ کیا کبھی تیمور اس کے پاس آئے گا؟ کیا یہ گھر اس کا رہ سکے گا؟ کیا وہ دربدر کر دی جائے گی؟ کیا وہ بے سہارا چھوڑ دی جائے گی؟

اندر کا خوف اور بے بسی آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے نکل کر چہرے پہ لڑھکنے لگی۔ مستقبل ایک بھیانک سیاہ پردے کی مانند ہر طرف چھاتا دکھائی دے رہا تھا، اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"اللہ اس چیز سے بڑا ہے، جس سے میں ڈرتی اور خوف کھاتی ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وہ ایک کلمہ وہ بار بار زیرِ لب دہرا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اندر کرب قدرے کم ہوا اور ذرا سا سکون آیا تو اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"اگر ان لوگوں نے مجھے چھوڑ ہی دینا ہے، نکال ہی دینا ہے تو مجھے کسی بے قدرے کے حوالے مت کرنا، میرے مالک! کوئی امید کا سرا دکھا دے، کوئی روشنی دکھا دے۔" وہ بنا لب ہلائے دعا کے لیے اٹھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔

پھر جب بہت رو چکی، تو چہرہ پونچھا اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اپنا سفید کور والا قرآن اٹھایا، اس کے فرنٹ کور پہ مٹا مٹا سا "م" اسی طرح لکھا تھا۔

اسے یاد نہ تھا کہ اس نے آخری دفعہ تلاوت کدھر چھوڑی تھی، پتا نہیں نشان کہیں لگایا تھا یا نہیں۔ بس جہاں سے صفحہ کھلا، اس نے پڑھنا شروع کر دیا۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

لاشعوری طور پر وہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی چاہتی تھی۔
"اور کس کی بات اس شخص کی بات سے زیادہ اچھی ہو سکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے عمل کرے اور کہے، بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

اس نے اگلی آیت پڑھی۔
"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں سو (برائی کو) اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو، پھر دفعتاً" وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے یوں ہو جائے گا گویا کہ تمہارا حمیم (گہرا جاں نثار دوست) ہو۔"

اس نے اچنبھے سے ان آیات کو دیکھا کیا اب بھی کوئی امید تھی کہ وہ شخص اس کا حمیم (گہرا جاں نثار دوست) بن سکتا ہے؟ اب تو کچھ باقی نہیں رہا تھا، سب ختم ہو گیا تھا۔ اس نے اس آیت کو دوبارہ پڑھا۔
بہت ہی عجب ماجرا تھا۔ آج وہ اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے ساتھ خوش گپیاں کرتے ہوئے دیکھ آئی تھی، اپنے اس شوہر کو جو برملا اس سے علیحدگی اختیار کرنے کا کہہ چکا تھا۔ اس کا اپنا بچہ اس سے بدکتا تھا۔ اس سے نفرت کرتا تھا۔ اس کی بے انتہا پرامید رہنے والی بہن بھی آج خاموش تھی، آج اس نے بھی امید نہیں دلائی تھی کہ ہمایوں کا رویہ سب کے سامنے تھا۔

اس نے پھر سے پڑھا۔
"پھر دفعتاً" وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے یوں ہو جائے گا گویا تمہارا حمیم ہو، اور اس (خوبی) کو ان لوگوں کے سوا کوئی نہیں حاصل کر سکتا جو بہت صبر کرتے ہیں اور اس (خوبی) کو ان کے علاوہ کوئی نہیں حاصل کر سکتا جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔"
میں اتنی صبر کرنے والی اور بڑی قسمت والی کہاں ہوں اللہ تعالیٰ؟ اس نے یاس سے سوچا تھا۔ کیا وہ واقعی کبھی بھی ان عداوتوں کو پگھلا نہیں سکے گی؟ کیا اسے مایوس ہو جانا چاہیے؟

باہر سے چہل پہل کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ محمل کے کمرے کے سامنے ہی ڈرائنگ ہال اور ڈائننگ روم تھا۔
اس نے قرآن بند کر کے شیلف پہ رکھا، اور وہیل چیئر کو گھسیٹتی ہوئی کھڑکی کے پاس لے آئی۔ قد آور کھڑکی کے شفاف شیشوں کے اس پار ڈوبتی شام کا منظر نمایاں تھا۔ دور اوپر کہیں آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا تھا۔ یہاں تک کہ شام ڈوب گئی اور چاندنی سے کھڑکی کے شیشے روشن ہو گئے۔ وہ اسی طرح اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں بیٹھی گردن اٹھائے چاند کو دیکھ رہی تھی۔
"ادفع بالتی ہی احسن۔"
(دور کرو اسے اس طریقے سے، جو بہترین ہو۔)
جو بہترین ہو۔
جو بہترین ہو۔
ایک آواز بار بار اس کی سماعت میں گونج رہی تھی۔
وہ چپ چاپ چاند کو دیکھتی کچھ سوچے گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے دیوار پہ آویزاں گھڑی پہ نگاہ دوڑائی۔ ایک بجنے میں ابھی چند منٹ تھے اور ہمایوں ڈیڑھ بجے تک گھر آ جاتا تھا۔
وہ وہیل چیئر گھسیٹتی سنگھار میز کے سامنے لے آئی اور قد آور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہیل چیئر پہ بیٹھی ایک کمزور سی لڑکی جس کے گھٹنوں پہ چادر پڑی تھی اور گیلے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ چہرے کی سپید رنگت میں زردی گھلی تھی اور بھوری آنکھوں تلے حلقے تھے۔

اس نے ہیئر برش اٹھایا اور آہستہ آہستہ بالوں میں اوپر سے نیچے کنگھی کرنے لگی۔ گیلے بالوں سے موتیوں کی طرح ٹپکتے قطرے اس کی سرخ قمیص کو بھگو رہے تھے۔ یہ خوب صورت جوڑا فرشتے نے اس کے لیے بنوایا تھا اور آج بہت شوق سے اس نے پہنا تھا۔ بال سلجھ گئے تو اس نے چہرے پہ ہلکا سا فاؤنڈیشن

لگایا، پھر گلابی سا بلش آن بکھیرا، آنکھوں میں گہرا کاجل اور اوپر لائٹ پنک سا آئی شیڈو، پھر پنک اور ریڈ لپ اسٹک ملا کر لبوں پہ لگائی، یوں کہ اوور بھی نہ لگے اور بہت پھیکی بھی نہیں۔ بال ذرا ذرا سوکھنے لگے تھے۔ اس نے ان کو برش سے سمیٹا، پھر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کے اونچا کیا، اور پونی میں باندھا، یوں کہ اونچی پونی ٹیل اس کی گردن پہ جھولنے لگی۔
محمل کی یادگار پونی ٹیل۔
وہ اسے دیکھ کر اداسی سے مسکرا دی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھا جیولری باکس کھولا اور لشکتے سرخ یاقوت کا سیٹ نکالا۔ کانوں میں آویزے پہنے، اور گردن میں نازک سا نیکلس۔ اب اپنا عکس دیکھا تو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ تروتازہ اور خوب صورت۔
جیولری باکس کے ساتھ ہی اس کی کانچ کی سرخ چوڑیاں رکھی تھیں۔ وہ ایک ایک چوڑی اٹھا کر کلائی میں ڈالتی گئی۔ یہاں تک کہ دونوں کلائیاں بھر گئیں اور جب اس نے سرخ بڑے سے یاقوت کی انگوٹھی ڈالی تو اسے پہنتے ہوئے چوڑیاں بار بار کھنک اٹھیں۔
ڈیڑھ بجنے والا تھا، اس نے ایک نظر گھڑی کو دیکھا اور پھر پرفیوم اسپرے کر کے خود کو باہر نکال لائی۔
ہمایوں ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ بے چین سی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ کبھی آویزے درست کرتی، کبھی چوڑیاں ٹھیک کرتی اور بار بار دروازے کو دیکھتی۔
دو بجنے والے تھے جب اس نے گاڑی کی آواز سنی۔ ایک دم اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔
یہی طریقہ اسے "بہترین" لگا تھا، سو اس نے اسی کو اپنایا تھا۔
قدموں کی چاپ قریب ہوتی سنائی دی۔ وہ خوامخواہ گود میں دھرے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ وہ نروس ہو رہی تھی اور وہ یہ جانتی تھی۔
دروازہ کھلا اور اسے ہمایوں کے بھاری بوٹوں کی چاپ سنائی دی۔ مگر نہیں، ساتھ میں نازک ہیل کی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL
❀ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
❀ نئے بال اگاتا ہے۔
❀ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❀ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❀ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے
سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوا لیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
2 بوتلوں کے لئے .... =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... =/350 روپے
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

Scan & PDF EJAZ AHMED FriendsKorner.com

تک تک بھی تھی۔

اس نے حیرت سے سر اٹھایا اور اگلے ہی پل زور کا جھٹکا لگا۔

ہمایوں اور آرزو آگے پیچھے اندر داخل ہو رہے تھے۔

وہ یونیفارم میں ملبوس تھا' ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا اور وہ آرزو سے بغیر کچھ سنے چلا آرہا تھا۔ وہ اس کے ہم قد' مسرور سی چل رہی تھی۔ وائٹ ٹراوزر پہ پنک گھٹنوں تک آتی شرٹ' اور دوپٹہ ناپید' کمان کی سی پتلی ابروز اور تیکھی نگاہیں۔

اسے سامنے بیٹھے' گردن اٹھائے خود کو دیکھتے' ان دونوں کے قدم ذرا سے سست ہوئے۔

چند لمحے وہ شدید صدمے کی حالت میں رہی تھی' مگر پھر سنبھل گئی۔

بظاہر سکون سے ان دونوں کو آتے دیکھا اور اسی سکون سے سلام کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" ہمایوں نے جواب دے کر ایک نظر آرزو کو دیکھا جو سینے پہ بازو باندھے تیکھی نگاہوں سے محمل کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں واضح استہزا تھا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی ہمایوں! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ آرزو کو یکسر نظر انداز کیے سپاٹ لہجے میں ہمایوں سے مخاطب تھی۔

"مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھا' خاکی لفافہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ بتائیں۔"

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور آرزو اسی طرح سینے پہ بازو لپیٹے اکھڑی اکھڑی سی کھڑی تھی۔ چند لمحے خاموشی حائل رہی۔ ہمایوں ہاتھ میں پکڑے خاکی لفافے کو دیکھتا رہا' جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا ہو۔ اس نے سر اٹھایا اور ان ہی سنجیدہ نگاہوں سے محمل کا چہرہ دیکھا۔

"میں شادی کر رہا ہوں۔"

ایک لمحے کو سکوت چھا گیا' مگر نہ آسمان گرا' نہ زمین پھٹی' نہ ہی کوئی طوفان آیا۔ اس نے بہت صبر سے اس کی بات سنی اور پھر سوالیہ ابرو اٹھائے۔ "تو؟"

"تو یہ کہ ہم دونوں کو الگ ہو جانا چاہیے۔ یہ لو۔" اس نے خاکی لفافہ محمل کی طرف بڑھایا' جسے اس نے دایاں ہاتھ بڑھا کر تھاما۔ دونوں لمحے بھر کو رکے' دونوں نے اس وقت خاکی لفافہ تھام رکھا تھا۔ مگر وہ بس ایک لمحے کا فسوں تھا۔ پھر ہمایوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور محمل نے سفاکی سے لفافہ چاک کیا۔

"کیا ہے اس میں ہمایوں صاحب؟ کیا میرا طلاق نامہ ہے؟" اندر سے تہ شدہ کاغذ نکالتے ہوئے وہ بہت آرام سے بولی تھی۔ وہ خاموش رہا۔ محمل نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

وہ واقعی طلاق نامہ تھا۔ ہمایوں کے دستخط' محمل کا نام۔

نہ اس کے ہاتھ سے کاغذ پھسلا' نہ وہ چکرا کر گری۔ بس ایک نظر میں پورا صفحہ پڑھ ڈالا اور پھر گردن اٹھائی۔ لمحوں میں ہی اس نے سارے فیصلے کر لیے تھے۔

"اس پہلی طلاق کا شکریہ ہمایوں داؤد! جس عالم نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ایک قبیح عمل ہے۔ سو طلاق ایک ہی دینا بہتر ہے' تو اس نے یقیناً" یہ بھی بتایا ہو گا کہ اب عدت کے تین ماہ میں اسی گھر میں گزاروں گی کیا نہیں بتایا؟"

"مجھے معلوم ہے' تم تین ماہ ادھر رہ سکتی ہو' اس کے بعد میں شادی کر لوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ محمل نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا جس کے بے وفا چہرے پہ کوئی پچھتاوا' کوئی ملال نہ تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں' آپ دوسری شادی کس سے کر رہے ہیں؟"

ہمایوں نے ایک نظر سامنے کھڑی آرزو کو دیکھا اور پھر شانے جھٹکے۔

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔ میں ذرا چینج کر کے آتا

ہوں۔" آخری فقرہ آرزو سے کہہ کر وہ تیزی سے اوپر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

وہ چند لمحے اسے اوپر جاتے دیکھتی رہی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ہمایوں داؤد سے نفرت محسوس ہوئی تھی' شدید نفرت۔

"آپ تو اپاہج ہو کر بھی خوب بنی سنوری رہتی ہیں۔" آرزو کی طنزیہ آواز پہ اس نے چہرہ اس کی جانب موڑا۔

"اگر شکل اچھی ہو تو معذوری میں بھی اچھی ہی لگتی ہے' آرزو بی ورنہ لوگ تو گھٹنوں کی تراش خراش کے بعد بھی خوب صورت نہیں لگتے۔"

"چچ چچ۔ رسی جل گئی' بل نہیں گئے۔" وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ دائیں ٹانگ بائیں پہ چڑھائی اور بڑے استحقاق سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ہمایوں کا موبائل اٹھایا جو اس نے بیٹھتے ہوئے ادھر رکھا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا محمل! مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے' لو اینڈ فرسٹ سائٹ' میں اسے حاصل کر ہی لوں گی۔"

"اور میں نے بھی تب کہا تھا آرزو! کہ تم خدا نہیں ہو' جو ہر چیز تمہاری مرضی سے ہو۔ آج وہ تمہارے لیے مجھے چھوڑ رہا ہے' کل کو کسی اور کے لیے تمہیں بھی چھوڑ دے گا' تب میں تمہاری آہیں سننے ضرور آؤں گی۔"

آرزو بے اختیار محظوظ سی ہنس پڑی۔

"جیلس ہو رہی ہو' ہے نا؟"

اس کا انداز محمل کے اندر آگ لگا گیا' مگر اس نے وہ آگ چہرے پہ نہ آنے دی۔ وہ بہت کمال ضبط کا وقت تھا۔

"تمہارے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے' جس سے میں جیلس ہوں۔ رہا ہمایوں' تو تم شوق سے اسے لے لو۔ مجھے کھنکتی مٹی کے اس پتلے کا کیا کرنا ہے' جس میں وفا ہی نہ ہو۔"

"تمہاری اکڑ ابھی تک نہیں گئی محمل۔"

"اور میری یہ اکڑ جائے گی بھی نہیں' تمہیں کیا لگتا ہے' محمل' ہمایوں کے بغیر مر جائے گی؟ ہونہہ۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "میں سات سال کو ما میں پڑی رہی' تب میرے پاس ہمایوں نہیں تھا' میں تب بھی نہیں مری تو اب اس کے بغیر کیوں مروں گی؟ خیر' اگر تم نے بیٹھنا ہے تو بیٹھو' کھانے پینے آئی ہو تو سامنے کچن ہے' ویسے بھی دوسروں کے مال کھانے کی تمہاری خاندانی عادت ہے اور ہمایوں کی خیرات کرنے کی۔ جو کھانا ہو' کھا لینا' ٹیک کیئر۔"

اس نے دانستہ السلام علیکم کہنے سے احتراز برتا۔ کم از کم اس وقت وہ آرزو پہ سلامتی نہیں بھیج سکتی تھی اور وہیل چیئر کا رخ اپنے کمرے کی طرف موڑ دیا۔

تہ شدہ زرد کاغذ ادھ کھلا اس کی گود میں دھرا تھا۔

اسے آرزو کے بڑبڑانے' اٹھنے اور سیڑھیاں چڑھنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ اب کچھ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا گھر تاش کے پتوں کی طرح بکھر چکا تھا۔ اب کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ لاک نہیں لگایا' اب کس کو ادھر آنا تھا بھلا؟ سب کچھ بکھر گیا تھا۔

وہ وہیل چیئر کے پہیوں کو دونوں ہاتھوں سے گھسیٹتی سنگھار میز کے سامنے لائی۔ کمرے کی بتی بجھی تھی۔ کھڑکی کے آگے پردہ گرا تھا' کہیں درزوں سے زرد سی روشنی جھانک رہی تھی' جس سے کمرے میں نیم اندھیرا سا تھا۔

وہ اس نیم تاریک ماحول میں اپنا عکس آئینے میں دیکھے گئی۔

ہر شے اجڑ گئی تھی' سب ختم ہو گیا تھا۔ راکھ کا ڈھیر لگا تھا اور اس میں کوئی چنگاری نہیں بچی تھی۔

اپنے عکس کو دیکھتے اس کا دل چاہا' وہ کانوں سے آویزے نوچ پھینکے' نازک سا ہار اتار کر دیوار پہ مارے' چوڑیاں توڑ دے۔ زور' زور سے چلائے' دھاڑیں مار

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner .com

مار کر روئے۔

اس نے ہاتھ آویزوں کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ دفعتاً" نیم تاریک کمرے میں ایک مدھم سی آواز ابھری۔

"آنکھ آنسو بہاتی ہے۔

اور دل غمگین ہے۔

مگر ہم زبان سے وہ ہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔"

آویزے کو پکڑے اس کا ہاتھ بے دم سا نیچے گر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا صبر' صدمے کی پہلی چوٹ پہ ہوتا ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو شخص گریبان چاک اور رخساروں پر طمانچے مارے اور جاہلیت کی طرح بین (نوحہ) کرے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس نے سر وہیل چیئر کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ قطرہ قطرہ آنسو بند آنکھوں سے نکلنے لگے۔ وہ بے آواز روتی رہی' بلکتی رہی۔ اندھیرے کمرے میں بیٹھی ایک معذور' کمزور لڑکی جو بے آواز روتے ہوئے بس ایک ہی لفظ بار بار دہرائے جا رہی تھی۔

"یارب المستضعفین ـــ اے کمزوروں کے رب ـــ اے کمزوروں کے رب۔"

دوپہر دم توڑ گئی' شام ڈوب گئی اور ہر سو رات چھانے لگی۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب کسی نے دروازے پہ دستک دی اور پھر چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ وہ کھلتا چلا گیا۔

اس نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا۔ اسے اب کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ ہمایوں کبھی اس کے پاس آئے گا۔

قدموں کی چاپ سنائی دی اور ایک ہیولا سا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"محمل!" وہ فرشتے کی آواز تھی۔

وہ چپ چاپ' آنکھیں چھت پہ جمائے بیٹھی رہی۔

"محمل! کیا ہوا ہے' ایسے کیوں بیٹھی ہو؟"

چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس کی متفکر سی آواز ابھری۔

"محمل! تم ٹھیک ہو؟"

اس نے دھیرے سے چہرہ اٹھایا اور متورم آنکھوں سے اندھیرے میں کھڑی فرشتے کو دیکھا۔ اس نے سیاہ جوڑا پہن رکھا تھا سیاہ دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"محمل!"

"ہمایوں نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی تو آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

کتنے ہی پل ماحول پہ سکتہ سا چھایا رہا۔

"کب؟"

"آج دوپہر میں' میں عدت اس گھر میں پوری کروں گی' پھر اس کے بعد میں چلی جاؤں گی اور وہ شادی کر لے گا۔" اس نے رخ فرشتے سے موڑ لیا' تاکہ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

"آئی ایم ویری سوری محمل۔" وہ متاسف کھڑی تھی۔ تم عدت کے بعد کہاں جاؤ گی؟"

"اللہ کی دنیا بہت وسیع ہے' کہیں بھی چلی جاؤں گی۔"

"کیا تم خود کو اتنا اسٹرونگ فیل کرتی ہو کہ حالات کا مقابلہ کر لو گی؟"

"ہاں' میں کر لوں گی' آپ جائیں' مجھے اکیلا چھوڑ دیں پلیز۔"

فرشتے نے سمجھ کر سر ہلایا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے بند ہونے کی آواز پہ اس نے چہرہ واپس موڑا۔

کمرہ پھر سے سنسان ہو گیا تھا' وہ جا چکی تھی۔

وہ رات بہت عجیب رات تھی۔ محمل نے اتنی ویران رات کبھی نہیں گزاری تھی۔ تب بھی نہیں جب وہ مسجد کی دیوار پھلانگ رہی تھی۔ تب بھی نہیں جب اسے اس کی جائیداد اور گھر سے محروم کر کے باہر نکال دیا گیا تھا۔ تب بھی نہیں جب اس کی ماں مری

تھی اور تب بھی نہیں جب وہ سات سال بعد کومے سے جاگی تھی۔ ایسی رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

وہ وہیل چیئر کی پشت سے سر ٹکائے نم آنکھوں سے چھت کو دیکھتی رہی۔ پردوں سے چھن چھن کر اندر آتی چاندنی میں پردے یوں چمک رہے تھے جیسے چاندی کے ورق ہوں۔

زندگی ایک دم گویا ختم سی ہو گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ اس کے پاس آگے چلنے کو کوئی امید نہ رہی تھی۔ ہمایوں اس کا نہیں رہا تھا' تیمور اس کا نہیں رہا تھا' نہ کسی رشتہ دار کا آسرا تھا اور رہی فرشتے تو وہ اس کے جانے کے بعد مسجد شفٹ ہو جاتی۔ وہ کب تک فرشتے کو اپنی وجہ سے پابند رکھتی؟

وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کا کوئی نہیں تھا۔ کوئی نہیں' کوئی نہیں' کوئی نہیں۔

رات یوں ہی خاموشی سے بیتتی گئی۔ وہ اسی طرح برف کا مجسمہ بنی وہیل چیئر پہ پڑی رہی۔ پردوں کی چمک ختم ہوتی گئی اور کمرے میں مہیب گھپ اندھیرا چھا گیا۔

اسے اس اندھیرے سے خوف آنے لگا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں دیکھنے کی سعی کرنے لگی اور تب ہی کھڑکی کے کناروں میں صبح کاذب کی نیلاہٹ ابھرنے لگی۔

دور کہیں فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں۔

اس کے برف بنے وجود میں پہلی بار جنبش ہوئی۔ اس نے اپنے سن ہوتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور پہیوں کو آگے کی طرف گھسیٹا۔ شیلف پہ ایک طرف وضو کے پانی کا برتن رکھا تھا۔

محمل نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کوئی دعا ذہن میں ہی نہ آئی' بس ایک وہ ہی لفظ۔

"اے کمزوروں کے رب!" لبوں پہ اترا۔ اس نے کئی بار اسے دہرایا' آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تو اس نے آمین کہہ کر چہرے پہ ہاتھ پھیر لیے۔

کمرے میں ہلکی ہلکی نیلاہٹ اترنے لگی تھی۔ وہ وہیل چیئر کو شیلف کے قریب لائی' جہاں ٹیپ ریکارڈر اور ساتھ کیسٹوں کا ڈبہ رکھا تھا۔ اس نے بنا دیکھے ایک کیسٹ لگائی اور ٹیپ میں ڈال کر پلے کا بٹن دبایا۔

کہیں درمیان سے تلاوت شروع ہو گئی تھی۔

"اور کس کی بات اس شخص کی بات سے زیادہ اچھی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے؟"

وہ حیرت سے چونکی' یہ آیت تو پرسوں اس نے پڑھی تھی' پھر یہ ہی کیوں لگ گئی؟

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں۔"

وہ حیران سی سن رہی تھی۔ اللہ اسے یہ آیات پھر سے کیوں سنوا رہا تھا؟ یہ آیات تو گزر چکی تھیں' پھر دوبارہ کیوں؟

"برائی کو اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو؟"

قاری صاحب کی آواز پڑھتے ہوئے بھرا گئی تھی۔

وہ الجھ سی گئی۔ اللہ اسے کیوں پھر سے وہ ہی بات بتا رہا تھا؟ وہ شخص تو اب سارے تعلق کاٹ چکا تھا' اب تو کوئی امید باقی نہیں رہی تھی' پھر کیوں اسے برائی کو بہترین طریقے سے دور کرنے کو کہا جا رہا تھا؟

وہ میرا رحیم (جاں نثار دوست) نہیں بن سکتا اللہ تعالیٰ! اس نے مجھے طلاق دے دی ہے' وہ مجھے تین ماہ بعد گھر سے نکال دے گا۔ اب تو درمیان کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا' پھر آپ کیوں مجھے اس عداوت کو دور کرنے کا کہہ رہے ہیں؟ وہ ایک دم رو پڑی تھی۔

پردوں کے دوسری طرف سے روشنی جھانکنے لگی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پردے ہٹا دیے۔

باہر لان میں صبح اتر رہی تھی۔ گہری سیاہ رات کے بعد اترتی صبح۔

"برائی کو اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو۔"

گھاس پہ تیمور بیٹھا تھا۔ نیکر شرٹ میں ملبوس سوئی سوئی آنکھیں لیے وہ گھاس پہ بیٹھی بلی کی کمر پہ پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ شاید اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جو وہ بلی کو کھلانے لایا تھا۔

"پھر دفعتاً" وہ شخص ـــ"

"پھر دفعتاً" وہ شخص۔"

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"پھر دفعتاً" وہ شخص۔"

قاری صاحب کی آواز اور اس کی سوچیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

تیمور اب بلی کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے۔"

وہ الفاظ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

وہ بنا پلک جھپکے تیمور کو دیکھ رہی تھی۔ اس اترتی نیلی صبح میں اس پہ اچانک سے کچھ آشکار ہوا تھا۔ "وہ شخص۔" ہمایوں نہیں تھا، نہیں تھا، نہیں تھا۔

"وہ شخص تھا۔ تیمور تھا۔

اس کا بیٹا، اس کا خون، اس کے جسم کا ٹکڑا، کیا وہ اس کا حمیم (جاں نثار دوست) بن سکتا تھا؟ کیا واقعی؟ کیا وہ ایسی قسمت والی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟

وہ ایک نئی آگہی کے احساس کے ساتھ حیرت میں گھری بیٹھی تھی۔

تیمور اب روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے سامنے گھاس پہ ڈال رہا تھا، بلی لپک کر آگے گئی اور گھاس پہ منہ مارنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بلقیس کرسی پہ چڑھی، اوپر بنے کیبنٹ کو کھولے کھڑی تھی، جبکہ وہ سامنے وہیل چیئر پہ بیٹھی گردن اوپر اٹھائے اسے ہدایات دے رہی تھی۔ اس کے اور ہمایوں کے ٹوٹے تعلق کی بات ابھی ملازموں تک نہیں پہنچی تھی۔

"بلیو کلر کا ویلوٹ کور کا البم ہوگا، سائیڈ پہ دیکھو۔"

"یہ والا بی بی؟" اس نے ایک البم نکال کر وہیں سے لہرایا۔

"یہ مہرون ہے بلقیس، میں بلیو کہہ رہی ہوں، نیلا آسمانی رنگ۔" وہ اس البم کی تلاش میں اسٹڈی کے کئی دراز اور شیلف چھنوا چکی تھی۔ اب اوپر والے کیبنٹس کی باری آئی تھی۔

"ایک منٹ جی۔" اسے شاید کچھ نظر آیا تھا، کچھ دیر اندر سر گھسائے ہاتھ مارتی رہی، پھر کہیں پیچھے سے کھینچ کر البم نکالا۔

"یہ ہی ہے، لاؤ مجھے دو۔" اس نے سکون کی گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"یہ لیں جی۔" بلقیس نے ننگے پاؤں زمین پہ رکھے، اور البم اس کو تھما کر چپل اڑسنے لگی۔ "میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔"

"ہاں جاؤ۔" اس نے البم دونوں ہاتھوں میں لیا، اس پہ جمی گرد جھاڑی اور پہلا صفحہ کھولا۔

یہ آغا ہاؤس میں کھینچی گئی ملی جلی تصاویر کا البم تھا۔ جب وہ اپنی شادی کے سال بعد آغا ہاؤس گئی تھی تو واپسی پہ اپنی کچھ دوسری چیزوں کے ہمراہ اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس میں زیادہ تصاویر اس کی اپنی تھیں۔ کہیں وہ تیرہ سال کی تھی تو کہیں انیس سال کی۔ کچھ تصاویر خاندان میں ہونے والی شادیوں کی بھی تھیں، وہ محو سی ان کو دیکھتی صفحے پلٹنے لگی۔

معلوم نہیں یہ سب لوگ اب کدھر تھے۔ سوائے آرزو کے کسی کا کچھ پتا نہیں تھا اور آرزو سے ان کا پتا وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی اس روز کے بعد آرزو ادھر نہیں آئی تھی۔ ہاں ہر شام ہمایوں کہیں باہر نکل جاتا تھا۔ ایک دفعہ پوچھنے پہ بلقیس نے بتایا تھا کہ وہ کسی "دوست" کے ساتھ اس وقت شام کی چائے پیتے ہیں اور دوستی کا ایک نظارہ تو وہ اس روز مرکز کے ریسٹورنٹ میں دیکھ ہی چکی تھی۔ سو اب مزید کریدنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

اور رہے یہ لوگ تو ان کی تصویریں دیکھتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح یہ ہی سوچ رہی تھی کہ ان کا کیا بنا؟ کیا وہ ابھی تک بے مہار گھوم رہے ہیں یا اللہ نے ان کی رسی کھینچی؟ ظلم اور والدین کی نافرمانی تو دو ایسے گناہ ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی لازماً ملتی ہے تو کیا ان کو سزا ملی؟ کیا ان کو احساس ہوا؟ اور سب سے بڑھ کر کیا اس شخص کو سزا ملی جو اس وقت اس کے سامنے تصویر میں مسکرا رہا تھا؟

Scan & PDF IJAZ AHMED Friends Korner.com

آغا فواد کریم' آغا جان کا ولی عہد' جس نے اس کو بکاؤ مال بنایا' بلیک میل کر کے تمام جائیداد اپنے نام لکھوائی اور پھر اس کی گردن پہ پستول رکھ کر فرشتے کو دھمکایا' گھر سے نکلوایا اور بعد میں جانے وہ ہمایوں کو آ کر کیا کہہ گیا تھا کہ ہمایوں اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ رہا تھا۔

"ہانڈی نہیں لگی تھی' شکر مالک کا۔" بلقیس تیزی سے واپس اندر داخل ہوئی تھی' اس نے خیالات سے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہائے کتنے سوہنے فوٹو ہیں' یہ آپ کے گھر والوں کے ہیں جی؟" وہ کھلے البم کو دیکھ کر اشتیاق سے اس کے کندھے کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور سر جھکائے دیکھنے لگی۔

"ہاں' میرے رشتہ دار ہیں۔" اس نے صفحہ پلٹا۔ اگلے صفحے پہ آرزو اور فواد' تائی اماں کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ خاندان کی کسی شادی کا فوٹو تھا۔

"یہ تو وہ ہیں!" بلقیس گویا حیرت زدہ رہ گئی۔

تب اسے یاد آیا' بلقیس نے ہی تو اسے فواد کے آنے کا بتایا تھا' شاید وہ اسے پہچان گئی تھی۔

"یہ آپ کی رشتہ دار ہیں جی؟ یہ تو ادھر آتی رہتی ہیں۔ کمال ہے' مجھے پتا ہی نہیں تھا۔"

"کون؟ یہ لڑکی؟" اسے حیرت ہوئی وہ تو سمجھی تھی کہ بلقیس فواد کی بات کر رہی ہے۔

"ہاں جی' یہ آرزو بی بی!" اس نے آرزو کے چہرے پہ انگلی رکھی۔

"ہاں' یہ میری کزن ہے اور یہ ساتھ فواد ہے' جو ہمایوں کے پاس آیا تھا۔"

"آیا ہو گا جی۔" وہ ابھی تک اشتیاق سے آرزو کے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز میں ذرا سی لاپروائی تھی۔ یک دم محمل کو کچھ کھٹکا۔ اسے لگا وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہے۔

"بلقیس' یہ وہ ہی بندہ ہے' جو اس روز ہمایوں کے پاس آیا تھا' جب ہمایوں نے فرشتے کو ڈانٹا تھا؟" اس نے البم ذرا اس کے قریب کیا۔ "تمہیں یاد ہے تم نے مجھے بتایا تھا؟"

"نا جی' یہ تو کبھی نہیں آیا۔"

"یہ... یہ کبھی نہیں آیا؟" اسے جھٹکا لگا تھا۔ "تو پھر وہ کون تھا؟"

"پتا نہیں جی' کوئی آپ کا رشتہ دار تھا۔ آپ کے چچا' تایا کسی کا بیٹا تھا۔"

"میرے چچا کا بیٹا؟ ایک منٹ' یہ... یہ دیکھو۔" وہ جلدی جلدی البم کے صفحے پیچھے کو پلٹنے لگی۔ پھر حسن کی تصویر پہ رکی۔

"یہ تھا؟"

"نہیں جی' یہ تو بڑا بابو لوگ ہے بی بی' وہ تو عمر میں کم تھا۔"

"کیا مطلب کم تھا؟" وہ الجھی۔ بلقیس متذبذب سی کھڑی تھی جیسے اپنی بات صحیح نہ پہنچا پا رہی ہو۔

"اچھا' یہ تو نہیں تھا؟" اس نے ساتھ لگی وسیم کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ بلقیس پہلے نا جی میں سر ہلانے لگی' پھر یک دم رک گئی اور چہرہ جھکا کر غور سے تصویر کو دیکھا۔ کافی دیر وہ تصویر کو بغور دیکھے گئی۔

"ہاں جی یہ والا تھا' یہ ہی تھا۔"

تو کیا وسیم؟ وہ ابھی حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ بلقیس نے معیز کی شکل پہ انگلی رکھی' جو تصویر میں وسیم کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ سدرہ کی منگنی کی تصویر تھی۔

"معیز؟ وہ معیز تھا؟ معیز آیا تھا؟" وہ ششدر رہ گئی۔

"یہ ہی تھا بی بی' مجھے اچھی طرح یاد ہے' ابھی ذرا بچہ لگ رہا ہے' مگر یہ شاید پرانی تصویر ہے جی' جب ادھر آیا تھا تو اس سے بڑا تھا' میں بھیگ رہی تھیں' قد بھی اونچا لمبا تھا' میں آپ کو کہہ رہی تھی نا کہ عمر میں کم تھا۔"

اور وہ تو ایسی دم بخود بیٹھی تھی کہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ تصویر میں معیز بارہ سال کا تھا' اب بیس کا ہو گا اور جب وہ ادھر آیا تھا تو یقیناً سترہ برس کا تھا۔ مگر وہ کیوں آیا؟ وہ کیوں ہمایوں سے لڑا؟ وہ دونوں کیوں بلند آواز میں جھگڑتے رہے؟

بہت سے سوال تھے جن کے جواب اسے معلوم نہ

تھے۔ بلقیس سے پوچھنا بے کار تھا۔ اس نے پہلے جب اس کے کزن کا ذکر کیا تھا تو ایسے تعظیم سے ان اور وہ آئے۔ جیسے الفاظ استعمال کیے تھے کہ وہ بالکل غلط سمجھ بیٹھی۔ مگر خیر' بلقیس کا تصور نہیں تھا اور پتا نہیں کس کا تصور تھا۔

اس نے بے دلی سے البم بند کیا اور میز پہ رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

چمکیلی صبح برآمدے پہ پھسل رہی تھی۔ بلقیس پائپ لگائے سفید سنگ مرمر کا چمکتا برآمدہ دھو رہی تھی۔

وہ صبح ناشتے کا وقت تھا۔ ہمایوں کو اس کے کمرے میں ناشتا دے کر بلقیس اب ادھر مصروف تھی۔ تیمور کدھر تھا' اسے کچھ پتا نہیں تھا' وہ آج اپنی فجر کی تلاوت نہیں کر سکی تھی اور اب ادھر وہیل چیئر پہ بیٹھ کر وہ ہی کرنا چاہ رہی تھی' مگر بار بار دھیان بٹ جاتا تھا۔

بلقیس پائپ اٹھائے برآمدے سے نیچے اتر گئی۔ اب وہ ڈرائیو وے پہ پانی ڈال رہی تھی۔ برآمدے کے فرش پہ کہیں کہیں پانی چمک رہا تھا۔

دفعتاً" دروازہ کھلا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

ہمایوں عجلت بھرے مصروف انداز میں کف بند کرتا باہر آ رہا تھا۔ اس نے محمل کو ادھر بیٹھے دیکھا یا نہیں' اس کے بے نیاز انداز سے یہ پتا لگانا مشکل تھا۔ وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

بلقیس نے جھاڑو اٹھائی اور بھاگ کر پائپ ڈرائیو وے سے ہٹایا۔ چوکیدار جو گھاس کاٹ رہا تھا' پھرتی سے آگے بڑھا اور گیٹ کے دونوں پٹ کھول دیے۔

وہ گاڑی میں بیٹھا' زور سے دروازہ بند کیا اور پیچھے دیکھتے ہوئے گاڑی نکال کر لے گیا۔

گیٹ کے دونوں پٹ کھلے رہ گئے۔ چوکیدار نے ابھی انہیں بند نہیں کیا تھا' وہ واپس درانتی اٹھائے گھاس کی طرف آ گیا تھا۔

بلقیس پھر سے پائپ کا فوارہ سفید بجری کے ڈرائیو وے پہ ڈالنے لگی۔ وہ سر جھٹک کر اپنی آیات کی طرف متوجہ ہوئی۔

مگر پھر پڑھتے پڑھتے نگاہ پھسلی' پہلے ناخنوں کے کناروں کو دیکھا' پھر ہاتھوں کو' پھر ان سے ہوتی ہوئی پیروں پہ جا ٹکی اور پھر سے پائپ کے پانی کی طرف بھٹک گئی۔

کھلے گیٹ کے اس پار سامنے والوں کا گیٹ بھی کھلا نظر آ رہا تھا۔ وہ بے دھیانی میں کسی سوچ میں گم ادھر دیکھے گئی۔ سامنے والوں کے گیٹ کے پاس ایک لڑکی کھڑی تھی' اس کے کندھے پہ پیارا سا پھولے پھولے گالوں والا بچہ تھا۔ ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھولے ایک گڈ لکنگ سا آدمی مسکرا کر انہیں کچھ کہہ رہا تھا۔ لڑکی ہنس رہی تھی' پھر وہ آدمی' جو غالباً" اس کا شوہر تھا' گاڑی میں بیٹھ گیا اور لڑکی بچے کا ہاتھ پکڑ کر بائے بائے کے انداز میں گاڑی کی طرف ہلانے لگی۔ بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔ آدمی نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

ایک مکمل اور خوب صورت فیملی۔

وہ چپ چاپ ان تینوں کو دیکھے گئی' یہاں تک کہ گاڑی فراٹے بھرتی سڑک پہ آگے نکل گئی اور لڑکی بچے کو کندھے سے لگائے گیٹ بند کرنے لگی۔

اس نے ہولے سے سر جھٹکا اور اپنی خاموش' بالکل خاموش نظریں واپس قرآن پہ جھکا دیں اور پڑھا کہ آگے کیا لکھا ہوا تھا۔

"اس کی طرف مت دیکھا کرو جو ہم نے دوسرے جوڑوں کو عطا کیا ہے۔"

محمل نے بے اختیار ٹھنڈی سانس لے کر سر اٹھایا۔ پھر ادھر ادھر گردن گھمائی' بلقیس اپنے کام میں مگن تھی اور چوکیدار اپنے کام میں' وہاں کسی نے اس کی ایک لمحے کی وہ نظر نہیں پکڑی تھی... مگر... مگر۔

اس نے ذرا سی گردن اوپر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

مگر کوئی تھا جو اس کی لمحے بھر کے لیے بھٹکی نگاہ بھی پکڑ لیتا تھا اور کسی دوسرے کو بتاتا بھی نہیں تھا۔ خاموشی سے اسے تنبیہہ کر دیتا تھا۔ سمجھا دیتا تھا' بہت احسان تھے اس کے اس پر' وہ تو شکر بھی ادا نہیں کر سکتی

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

تھی۔

"بلقیس! آج کون سا دن ہے؟" ایک دم اسے خیال آیا تو اسے پکارا۔

"جمعہ ہے جی۔" وہ اب پائپ بند کر کے اسے سمیٹ رہی تھی۔

"اوہ اچھا۔" اسے یاد آیا' آج تو سورۂ کہف پڑھنی تھی۔ جانے وہ کیسے بھول گئی' وہ خود کو سرزنش کرتی قرآن کے صفحے پلٹنے لگی۔

چوکیدار گیٹ بند کر کے اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا اور بلقیس اندر' وہ برآمدے میں تنہا رہ گئی تھی' پہلے قرآن سے پڑھنے کا سوچا' مگر سورۂ کہف یاد تھی ہی' سو قرآن میز پہ رکھا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

کبھی کبھی اس کو لگتا تھا کہ اس کی زندگی مصحف قرآنی کے گرد ہی گھومنے لگی ہے۔ اس کا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں اس کا کردار نہ ہو۔ ہر لمحے' ہر وقت وہ قرآن کو اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اب اس کے بغیر اس کا گزارہ بھی نہ تھا۔

آنکھیں موندے وہ بسم اللہ پڑھ کر سورۂ کہف پڑھنے لگی۔

اس ٹھنڈی صبح میں ہر طرف خاموشی اور میٹھی سی چاشنی چھا گئی تھی۔ وہ آنکھیں موندے اپنی تلاوت کر رہی تھی۔

"ام حسبت ان اصحب الکہف ــــ"

"والرقیم ــــ"

ابھی اس نے نویں آیت "اصحب الکہف" تک ہی پڑھی تھی کہ کسی نے اگلا لفظ "والرقیم" پڑھ دیا۔ اس کے ہلتے لب رک گئے۔ بہت حیرت سے چونکتے ہوئے اس نے آنکھیں کھولیں۔

سامنے کھلے دروازے میں تیمور کھڑا تھا۔

اپنے نائٹ سوٹ میں ملبوس' کچی نیند سے خمار آلود آنکھیں لیے وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔

چند لمحوں کے لیے سارے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ دونوں بنا پتلیوں کو حرکت دیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اسی طرح تیمور کی بھوری آنکھوں کو نگاہوں میں لیے اس نے ہولے سے لب کھولے اور پھر سے وہ آیت دہرائی۔

"ام حسبت ان اصحب الکہف ــ" وہ دانستہ رکی تو تیمور کے ننھے سرخ ہونٹ حرکت کیے۔

"والرقیم۔"

"کانو من ایتنا عجبا" اس نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیے آیت مکمل کی۔

تیمور اسی طرح ساکت سا مجسمے کی طرح کھڑا تھا جیسے برآمدے اور لان میں مبہوت ہوئی خلق کا حصہ ہو۔

"ادھر آؤ۔" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ کسی معمول کی طرح آہستہ سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

اس نے اس کے ہاتھ تھامنے کو دونوں ہاتھ بڑھائے اور کسی سحر زدہ شخص کی طرح تیمور نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ اصحب الکہف کے بعد والرقیم آتا ہے؟"

وہ خاموش کھڑا رہا جیسے اسے خود بھی نہ معلوم ہو۔

"تمہیں سورۃ کہف آتی ہے؟" نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے محمل نے پوچھا تو۔

اس نے آہستہ سے سر کو نفی میں ہلایا۔

"پھر تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"It....it just slipped" (میرے منہ سے نکل گیا) وہ اٹک' اٹک کر بول رہا تھا۔ آنکھیں ابھی تک محمل کے چہرے پہ جمی تھیں۔

اسے یاد تھا کہ تیمور کی پریگننسی میں وہ ہر جمعہ کو یوں ہی بیٹھ کر آنکھیں موندے بلند آواز میں سورۂ کہف پڑھا کرتی تھی' تاکہ وہ جنم لینے سے قبل ہی قرآن کا عادی ہو اور شاید وہ واقعی عادی ہو گیا تھا اور شاید

سات سال بعد اس نے یہ آواز سنی تھی۔

"تمہیں اور سورتیں آتی ہیں؟"

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ وہ اپنے ہاتھ ابھی تک محمل کے ہاتھوں میں دیے کھڑا تھا۔

"تمہیں قرآن پڑھنا آتا ہے؟"

اس نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

"مسجد جاتے ہو یا کہیں اور سے سیکھا ہے؟"

"گھر پہ قاری صاحب لگوائے تھے ڈیڈی نے۔"

"کتنی دفعہ قرآن ختم کیا ہے؟"

"ٹوٹا نمبر۔"

"کیا قاری صاحب کا قرآن بھی یوں ہی سنا کرتے تھے جیسے میرا سنتے ہو؟"

"نہیں۔ وہ بالکل اچھا نہیں بولتے تھے۔"

"اور میں؟"

"آپ..... آپ اچھا بولتی ہو۔" وہ اب بھی اٹک' اٹک کر بول رہا تھا۔

"اور فرشتے کا اچھا لگتا ہے؟"

"She never reads" (وہ کبھی نہیں پڑھتیں۔)

وہ recite (تلاوت) کو read (پڑھنا) کہہ رہا تھا' مگر وہ وقت اس کی غلطی نکالنے کا تھا' نہ ہی یہ بتانے کا کہ وہ کون سا تمہارے سامنے پڑھتی ہوگی' وہ لمحے تو بہت خاص تھے' ان کو ضائع نہیں کرنا تھا۔

"تم ایسا پڑھ سکتے ہو؟"

"نو!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"پڑھنا چاہتے ہو؟"

وہ خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

محمل نے آہستہ سے اس کے ہاتھ چھوڑے۔

"چلو' کل صبح پھر پڑھیں گے۔" اور وہیل چیئر کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اس نے سوچا کہ اسے کھلا چھوڑ دے۔ اگر وہ اس کا ہوا' تو واپس آجائے گا' نہ ہوا تو نہیں آئے گا۔

کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو تیمور ادھر نہیں تھا۔ فرش کا پانی سوکھ چکا تھا۔ چڑیاں اڑ گئی تھیں۔ سرخ کیڑے اپنے بلوں میں جا چکے تھے۔ چیونٹیاں بکھر گئی تھیں' سفید بلی بھی واپس چلی گئی تھی۔

"اور اللہ کی طرف بلانے والی بات سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے بھلا۔"

اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ دشمن کو دوست بنانے کا "احسن" طریقہ تو اسی آیت میں دے رکھا تھا' اس کی سمجھ میں ذرا دیر سے آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح وہ لان میں پہلے سے موجود تھی۔ لان میں لاؤنج کی کھڑکی کھلتی تھی اور اس کے سامنے تیمور کا کمرا تھا۔ آواز کا راستہ صاف اور کھلا تھا۔

پچھلا پورا دن اس نے دانستہ تیمور کا سامنا نہیں کیا۔ وہ بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ اس کی غالباً" چھٹیاں تھیں' سو آج کل گھر پہ ہی ہوتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کل قرآن سنا کر اس نے تیمور کو ذہنی طور پہ ڈسٹرب کر دیا ہے۔ اگر وہ واقعی قرآن کی چاہ رکھتا ہے تو اس کے اندر مزید سننے کی خواہش ضرور بھڑکے گی اور وہ خود ہی چل کر آئے گا۔ اس نے تو ماہ اسے قرآن سنایا تھا۔ وہ سات سالوں میں اسے کیسے بھول سکتا تھا؟

بلقیس نے اسے لان میں ہی ٹیپ ریکارڈر سیٹ کر کے دے دیا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ تیمور جاگ چکا ہے یا ابھی سو رہا ہے' پھر بھی اس نے پلے کا بٹن دبایا اور آواز اونچی کر دی۔

قاری المشاری کی سورۂ کہف چلنے لگی تھی۔ گو کہ قاری حضرات اور بھی بہت اچھے تھے۔

مگر جو بات قاری مشاری کے دھیمے' پرسوز انداز میں تھی' وہ اسے دنیا میں کہیں نہیں ملی تھی۔ اور سورۂ کہف تو شروع ہوتی اور اس کے آنسو بہنے لگتے تھے۔

پہلا رکوع ابھی ختم ہی نہیں ہوا تھا کہ برآمدے کا دروازہ کھلا اور تیمور بھاگتا ہوا برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس پہ آیا۔ پھر اسے بیٹھے دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

وہ کہنیوں تک آستینیں فولڈ کیے ہوئے تھا۔ جن کے کنارے اور اس کے بازو گیلے تھے' چہرہ اور ماتھے پہ گرے بال بھی گیلے تھے۔ پاؤں بھی دھلے لگ رہے تھے۔ شاید وہ وضو کر کے آیا تھا۔

اس نے مسکرا کر سر خم کر کے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا اور سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

دونوں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے وہ مدھر' مترنم سی آواز سنتے رہے۔ جو غار والوں اور کشتی والوں کا قصہ بیان کر رہی تھی۔ ان چند نوجوانوں کا قصہ۔ جو کہیں چلے گئے تھے۔ اور دو باغوں کے مالک کا قصہ جسے اپنے مال اور اولاد پہ بہت غرور تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ۔ جو اللہ کے ایک بندے سے ملنے اس جگہ کو ڈھونڈ رہے تھے جہاں مچھلی نے سمندر میں راستہ بنایا تھا۔ اور اس گردش کرنے والے آدمی کا قصہ۔ جو سفر کرتا ہوا مشرق و مغرب تک جا پہنچا تھا۔

وہ چار قصے تھے۔ جو قرآن کے درمیان میں رکھ دیے گئے تھے۔ جب وہ ختم ہوئے تو تیمور نے سر اٹھایا۔ محمل اب اسٹاپ کا بٹن دبا رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے' یہ کس کی آواز ہے؟"

تیمور نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ قاری مشاری تھے۔ تمہیں پتا ہے وہ کون ہیں؟"

اس نے پھر گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

"پہلے وہ سنگر تھے۔ پھر انہوں نے قرآن پڑھا تو گلوکاری چھوڑ دی اور قاری بن گئے۔ ان کے گیارہ مختلف ٹونز میں قرآن موجود ہیں' مگر مجھے یہ والی ٹون سب سے زیادہ پسند ہے' تمہیں پسند آئی؟"

"جی!" وہ بے ساختہ کہہ اٹھا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہ ہی چیختا' بدتمیزی کرتا بچہ تھا جو اب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔

چند لمحے وہ خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھتی رہی۔ (آخر تھا تو وہ بچہ ہی' کتنا ناراض رہ سکتا تھا بھلا؟) اور پھر آہستہ سے بولی۔

"مجھ سے ابھی تک خفا ہو؟"

تیمور نے آنکھیں اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا' منہ سے کچھ نہ بولا۔

"کیوں خفا تھے مجھ سے؟"

وہ چپ رہا' بالکل چپ۔

"تمہیں میں بہت بری لگتی ہوں؟ تمہارا دل کرتا ہے کہ تم مجھے قتل کر دو؟"

"تو... نو ر!" وہ گھبرا کر کہہ اٹھا' پھر ایک دم چپ ہو کر لب کاٹنے لگا۔

"تم پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ تم میرے لیے اسپتال پھول لے کر آتے تھے' مجھ سے اتنی باتیں کرتے تھے' میرے ہاتھوں پہ پیار کرتے تھے' تمہیں بھول گیا ہے؟"

اس کی بھوری آنکھوں میں استعجاب پھیل گیا۔

"آپ کو سنائی دیتا تھا سب؟" زندگی میں پہلی دفعہ اس نے محمل سے یوں بات کی' وہ اندر سے تڑپ کر رہ گئی۔

"تمہیں لگتا تھا کہ میں اپنے تیمور کی بات نہیں سنوں گی؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" اس نے الٹا سوال پوچھا۔ تردید نہیں کی' نہ وہ جھوٹ بولنا چاہتی تھی' نہ ہی اسے مایوس کرنا چاہتی تھی۔

"آپ... آپ پھر اس رات بولتی کیوں نہیں تھیں جب ڈیڈی نے مجھے مارا تھا؟ آپ کو سب سنتا تھا تو آپ بولتی کیوں نہیں تھیں؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔ غصے سے نہیں دکھ سے۔

"میں بول نہیں سکتی تھی' میں بیمار تھی۔ اور... اور... ڈیڈی نے تمہیں کیوں مارا تھا؟"

وہ تڑپ کر رہ گئی تھی' مگر بظاہر خود کو کمپوزڈ رکھا۔

"وہ اس چڑیل (چڑیل) سے شادی کر رہے تھے۔ میں نے ان سے بہت لڑائی کی تھی۔"

اس کی موٹی موٹی بھوری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "وہ کہتے تھے وہ اس وچ سے شادی کریں گے۔ وہ آپ کو ڈائیورس کر دیں گے۔ میں ان سے بہت لڑا تھا۔" اور ایک دم وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"تیمور!" وہ متحیر رہ گئی۔ اس نے کبھی اسے روتے نہیں دیکھا تھا۔

"ادھر آؤ میرے پاس۔"

وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ چہرے پہ رکھے رو رہا تھا۔ محمل نے بے اختیار بازو بڑھا کر اس کے ہاتھ تھامے۔

"میرے پاس آؤ۔" اسے ہاتھوں سے تھام کر کھڑا کیا اور خود سے قریب کیا۔

"ڈیڈی نے کیوں مارا تمہیں؟"

"میں نے کہا تھا میں ان کو اور اس وچ کو گھر میں نہیں رہنے دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں بری عورت ہے۔ میں نے ان پہ بہت شاؤٹ کیا' تو انہوں نے مجھے ادھر تھپڑ مارا۔" اس نے ہاتھ اپنے آنسوؤں سے بھیگے گال پہ رکھا۔ محمل نے بے اختیار اس کا گال چوما۔ وہ بیٹھی تھی' اور وہ اس کے ساتھ کھڑا رو رہا تھا۔

"تم پھر میرے پاس آئے تھے؟"

"ہاں' میں اتنی دیر تک آپ کے پاس روتا رہا تھا' بٹ یو ور سلیپنگ۔ آپ نے مجھے جواب نہیں دیا' آپ نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا' آپ بولتی نہیں تھیں' آپ نے مجھے پیار بھی نہیں کیا۔"

"اور تم مجھ سے ناراض ہو گئے؟" وہ ہچکیوں کے درمیان آنسو پونچھ رہا تھا۔

"میں تب بیمار تھی' بول نہیں سکتی تھی' لیکن اب میں تمہارے پاس ہوں نا' اب تو تم ناراض نہیں ہو؟"

ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

ایک دم ہی اس کے ادھورے وجود میں ٹھنڈک اتر آئی۔ اسے لگا وہ مکمل ہو گئی ہے' اب اسے کسی ہمایوں داؤد نامی شخص کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اس کا تیمور واپس مل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ دن بہت خوب صورت تھا۔ جب وہ دونوں خوب رو چکے' تو پھر مل بیٹھ کر خوب باتیں کیں' کبھی لان میں' کبھی ڈائننگ ٹیبل پہ' کبھی لاؤنج میں اور پھر تیمور کے کمرے میں۔

اس سے بات کر کے محمل کو پتا چلا تھا کہ اس کا یہ رویہ اس رات کا رد عمل تھا جو اس نے ہمایوں سے تھپڑ کھانے کے بعد محمل کو پکارتے گزاری تھی۔ شاید وہ ساری رات روتا رہا تھا' مگر اس کی ماں نے جواب نہیں دیا تو وہ اس سے بدظن ہو گیا۔ مگر بچہ تھا' آخر کتنی دیر ناراض رہ سکتا تھا۔ بالآخر اپنے اندر کا سارا لاوا نکال کر اب ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور یہ بدگمانی کی عادت تو اس نے اپنے ماں اور باپ دونوں سے ورثے میں لی تھی۔ اس کا قصور نہیں تھا۔

اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ آرزو اور ہمایوں کے تعلق کو بھی جانتا ہے' مگر محمل دانستہ اس موضوع کو نہیں چھیڑتی تھی۔ محمل کو اب احساس ہوا تھا کہ تیمور غیر معمولی ذہین اور سمجھ دار لڑکا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کے بارے میں خبر رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کب ہمایوں نے اسے طلاق دی' کب اسے جھڑکا' کب اس پہ چلایا اور دوسری ہر شے جو ان دونوں کے درمیان تھی' وہ ظاہر کرتا تھا کہ اسے اس سے نفرت ہے' مگر اس کے باوجود وہ اس کے ہر پل کی خبر رکھتا تھا۔

"اگر ڈیڈی نے آپ کی ڈائیورس واپس نہ لی تو آپ یہاں سے چلی جائیں گی؟" وہ دونوں تیمور کے کمرے میں بیٹھے تھے' جب اس نے بے حد اداسی سے کہا۔

"جانا تو ہے۔"

"پر ابھی تو اینڈ آف منتھ تو آپ ادھر ہی ہیں نا؟ آپ کی ڈائیورس کے تھری منتھس بعد تک آپ نے یہیں رہنا ہے نا؟"

وہ اپنی باتوں سے اسے حیران کر دیتا تھا۔ اس کی عمر اتنی نہیں تھی' مگر وہ ہر بات سمجھتا تھا۔

"ہاں..."

"ابھی تو ہاف منتھ ہوا ہے' ابھی تو بہت ٹائم ہے' کیا پتا ڈیڈی ڈائیورس واپس لے لیں۔"

Scan & PDF EJAZ AHMED Friends Korner.com

اس نے سوچا کہ اسے سمجھائے کہ پہلی طلاق واپس نہیں ہوتی' بلکہ اس میں رجوع ہو سکتا ہے' مگر اس کے ننھے دماغ کو خوامخواہ کہاں الجھاتی' سو بات بدل دی۔

"مجھے اپنی بکس دکھاؤ۔"

"آپ ٹاپک مت چینج کریں' میں آپ کو ساری بکس دکھا چکا ہوں۔"

"وہ میرا مطلب تھا کہ کاپیز دکھاؤ۔"

"محمل.... محمل۔" اس سے پہلے کہ تیمور جواب دیتا' اس نے فرشتے کی آواز سنی جو باہر اسے پکار رہی تھی۔ اس کی وہیل چیئر دروازے سے ذرا دور تھی۔ سو اس نے تیمور کو اشارہ کیا۔

"بیٹا! دروازہ کھولو۔"

"پلیز' نو!" اس نے برا سا منہ بنایا اور وہیں بیڈ پہ بیٹھا رہا۔

"محمل۔" فرشتے کی آواز میں پریشانی تھی۔

"تیمور' پلیز دروازہ کھولو' خالہ بلا رہی ہیں۔" وہ چاہتی تو فرشتے کو آواز دے لیتی' مگر ابھی وہ تیمور کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"شی از ناٹ مائی خالہ۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اٹھا' دروازہ آدھا کھول کر سر باہر نکالا اور غصے سے بولا۔

"واٹس رانگ ود یو؟"

"وہ سوری سنی! میں محمل کو ڈھونڈ رہی تھی۔" فرشتے کی خجل سی آواز آئی۔

"شی از ود می' پلیز ڈونٹ ڈسٹرب اَز۔ (وہ میرے ساتھ ہیں پلیز' ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔)" اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر واپس مڑا تو محمل قدرے خفا سی اس کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ میری بہن ہے' تم اسے مجھ سے بات بھی نہیں کرنے دو گے بیٹا۔"

"آپ کیوں اس وچ نمبر ٹو کو پسند کرتی ہیں؟ میرا تو دل کرتا ہے اس سے کہوں اپنا بروم اسٹک اٹھائے اور یہاں سے چلی جائے۔" بگڑ کر کہتے ہوئے اس نے پلٹ کر دروازہ کھولا۔

"آجاؤ۔" فرشتے کا چہرہ دکھائی دیا تو محمل نے مسکرا کر کہا۔

وہ حیران سی دروازے میں کھڑی تھی۔

"تم اور سنی.... اوہ گاڈ.... یہ سب کیسے ہوا؟" وہ حیرت زدہ بھی تھی اور خوش بھی۔

"بس اللہ کا شکر ہے!" اس نے مسکراہٹ دبا کر کندھے اچکائے' جیسے خود بھی اس خوش گوار واقعے پہ لاجواب ہو گئی ہو۔

"آئی ایم سو ہیپی محمل!" فرط جذبات سے فرشتے کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اور اس سے پہلے کہ محمل جواباً کچھ کہہ پاتی' تیمور زور سے بولا.... "نو یو آر ناٹ' آپ جھوٹ بولتی ہو' مجھے سب پتا ہے۔" فرشتے کا چہرہ ماند پڑ گیا۔

"سنی نہیں....."

"یو مین گو ناؤ' جسٹ گو اوے!" وہ ایک دم زور سے چلایا۔ فرشتے لب کاٹتی ایک دم پلٹی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

تیمور بھی غصے میں مٹھیاں بھینچے بیٹھا تھا۔ وہ گئی تو اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور قریب رکھا کاغذ اٹھا کر پھاڑ ڈالا۔ پھر اس کے ٹکڑے دروازے پہ دے مارے۔

محمل بغور اس کا رویہ دیکھ رہی تھی۔ وہ واپس آکر بیڈ پہ بیٹھا تو اس نے اس کی رف کاپی اٹھائی' تین صفحے پھاڑے اور تیمور کی جانب بڑھائے۔

"لو' ان کو بھی پھاڑو۔" تیمور نے پہلے ذرا حیرت سے اسے دیکھا' پھر جھپٹ کر کاغذ پکڑے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

"یہ بھی پھاڑو۔" وہ اس کی کاپی سے ایک ایک صفحہ نکال کر اسے پکڑاتی جا رہی تھی اور وہ وحشیانہ انداز میں اسے پھاڑتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گیا' اور سر ہاتھوں پہ گرا دیا۔

محمل نے اس کی کاپی بند کر کے بیڈ پہ ڈال دی۔

"اٹھو' پانی پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔"

اس کے اندر کا لاوا باہر آچکا تھا۔ سو خاموشی سے

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

اٹھا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا تو ہاتھ میں پانی سے بھرا شیشے کا گلاس تھا۔ محمل نے گلاس تھاما، پانی پیا اور پھر گلاس واپس اس کی طرف بڑھایا۔

"اس کو بھی دیوار پہ مارو اور توڑ دو۔"

تیمور لب کاٹتے اسے دیکھتا رہا، گلاس لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"اسے توڑنا چاہتے ہو؟"

"نو۔" اب وہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"چلو، لان میں چلتے ہیں، میں تمہیں ایک اسٹوری بھی سناؤں گی۔"

اس کی بات پہ وہ مسکرا دیا، اور گلاس اس سے لے کر دروازہ کھولا، پھر ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ وہ آسودگی سے مسکراتی وہیل چیئر کے پہیوں کو دونوں ہاتھوں سے گھماتی آگے بڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ محمل کے ہاتھ میں قرآن کے قصوں کی کتاب تھی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تیمور کو سنا رہی تھی۔ ان گزرے کچھ دنوں میں اس نے آہستہ آہستہ بہت سارے قصے اسے سنا ڈالے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ تیمور میں قرآن کا شوق پیدا ہو جائے۔

"اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل خالی ہو گیا۔"

دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ لاشعوری طور پہ رک گئی۔ جانتی تھی اس وقت کون آیا ہو گا۔ بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔

"آگے بتائیں نا، ماما!" تیمور چند لمحوں کے انتظار کے بعد بے چین ہو گیا، اسی پل ہمایوں اندر داخل ہوا، بے ساختہ ہی محمل نے سر اٹھا لیا۔

وہ تھکا تھکا سا، سرخ آنکھیں لیے، آستین کہنیوں تک فولڈ کیے چلا آ رہا تھا۔ ان دونوں کو یوں اکٹھا بیٹھے دیکھ کر ایک دم ٹھٹک کر رکا۔ آنکھوں میں واضح حیرت اور الجھن ابھری۔ وہ پچھلے دنوں کافی دیر سے گھر آ رہا تھا اور سوئے اتفاق وہ ان دونوں کی اس دوستی کے بارے میں کچھ جان سکا نہ ہی دیکھ سکا۔

محمل نے نگاہیں کتاب پہ جھکا لیں اور آگے پڑھنے لگی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ تیمور صوفے سے اٹھا اور لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو؟" کچھ دیر تک وہ دوسری طرف سنتا رہا، پھر سر ہلایا۔ "جی وہ ہیں، ایک منٹ!"

وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے محمل کی طرف گھوما۔ اسی پل ہمایوں کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

"ماما! آپ کا فون ہے۔"

"کون ہے؟" وہ ذرا حیران ہوئی۔ اس کے لیے بھلا کہاں فون آتے تھے۔

"وہ کہہ رہے ہیں ان کا نام آغا فواد ہے۔" تیمور نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔ تار لمبی تھی، ریسیور اس تک پہنچ ہی گیا۔

"آغا فواد؟" وہ بے یقینی سے بڑبڑائی، پھر ریسیور تھاما۔ کتنی ہی دیر وہ سن سی اسے کان سے لگائے بیٹھی رہی۔

"ہ۔۔۔ ہیلو۔" اور پھر بمشکل لفظ لبوں سے نکل ہی پایا تھا کہ کسی نے سختی سے ریسیور اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ محمل نے بری طرح چونک کر پیچھے دیکھا۔

"میرے گھر میں یہ سب نہیں ہو گا، یہاں سے جا کر جو بھی کرنا ہو کر لینا۔" ریسیور ہاتھ میں لیے درشتی سے کہتا وہ محمل کے ساتھ آغا فواد کو بھی سنا چکا تھا۔

وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی۔ ہمایوں نے ایک شعلہ بار نگاہ اس پہ ڈالی اور ریسیور کھٹاک سے کریڈل پہ ڈال دیا۔ پھر جیسے آیا تھا، اسی طرح تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

تیمور خاموشی سے مگر بغور سب دیکھ رہا تھا، ہمایوں واپس ہو لیا تو وہ آہستہ سے محمل کی طرف بڑھا۔

"ماما!" اس نے ہولے سے محمل کا ہاتھ چھوا، پھر ہلایا۔

وہ اسی طرح شل سی بیٹھی تھی۔

"ایک دفعہ پہلے بھی ان کا فون آیا تھا آپ کے لیے، ڈیڈی نے تب ان کو کہا تھا کہ یہاں کوئی محمل نہیں رہتی، ماما! ڈیڈی ان کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ تو آپ کے کزن ہیں نا؟"

وہ ابھی تک سن تھی، پہلی دفعہ ہمایوں نے اتنی زہریلی بات کی تھی۔ یہ اتنا سارا زہر اس کے اندر کس نے بھر دیا تھا؟

"اچھا چھوڑیں نا، مجھے اسٹوری آگے سنائیں۔" وہ اس کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ ہلا کر اس کو متوجہ کیا۔ محمل نے سر جھٹک کر کتاب اٹھا لی۔

☼ ☼ ☼

وہ لان میں بیٹھی تھی اور تیمور پانی کا پائپ اٹھائے گھاس پہ چھڑکاؤ کر رہا تھا۔ قطرے موتیوں کی طرح سبز تنکوں پہ گر رہے تھے۔ وہ چہرے پہ ڈھیروں سکون لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

امام شافعی کہتے تھے آزمائش جب بہت تنگ ہو جاتی ہے تو پھر وہیں سے کھل جاتی ہے، ٹھیک ہی کہتے تھے۔ جب اسے زندگی میں گھپ اندھیرا نظر آنے لگا تھا، وہیں پہ فجر کی پہلی کرن چمکی تھی۔ ہمایوں کی بے وفائی کا غم اب اتنا شدید نہیں رہا تھا جتنا اس سے قبل تھا۔ تیمور کی محبت مرہم کا کام کر رہی تھی۔

شام اتر رہی تھی جب اس نے گیٹ پہ آہٹ سنی تو گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ فرشتے نے باہر سے ہاتھ اندر کر کے گیٹ کا ہک کھولا تھا اور اب وہ دروازہ کھول کر داخل ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہینڈ بیگ تھا اور وہ اپنے مخصوص سیاہ عبایا اور اسکارف میں ملبوس تھی۔ جس میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ غالباً مسجد سے آ رہی تھی۔ اس وقت وہ ادھر پڑھانے جاتی تھی۔

"السلام علیکم، جلدی آ گئیں؟" اسے آتے دیکھ کر محمل نے مسکرا کر مخاطب کیا۔

"ہاں، بس ذرا تھک گئی تھی۔" وہ تھکان سے مسکرائی اسی کی طرف چلی آئی۔

"کھانا کھا لیں، آپ نے دوپہر میں بھی نہیں کھایا تھا۔"

"ہاں، کھاتی ہوں۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہہ کر انگلی سے کنپٹی سہلائی۔ اس کی مخروطی انگلی میں چاندی کی وہ ہی انگوٹھی تھی جو وہ اکثر دیکھتی تھی۔ جانے کیوں وہ محمل کو قدرے پریشان لگی تھی۔

"خیریت فرشتے؟ مجھے آپ ٹینس لگ رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ تب ہی فاصلے پہ کھڑے تیمور نے پائپ پھینکا اور ان کی طرف آیا۔

"وہ ٹینس بھی ہے تو آپ کیوں کیئر (پروا) کرتی ہیں؟ جسٹ لیو ہر الون!" وہ بہت غصے اور بدتمیزی سے بولا تھا۔ محمل نے فرشتے کی مسکراہٹ کو واضح ماند پڑتے دیکھا، اس کا دل دکھا۔

"تیمور، بیٹا! وہ تمہاری خالہ ہیں، ایسے بات۔۔۔"

"جسٹ گو! چلی جاؤ آپ یہاں سے۔" وہ پیر پٹخ کر چیخا۔ بالکل ہمایوں کا پرتو۔

"سوری سنی!" وہ شکستگی سے اٹھی، بیگ ہاتھ میں لیا اور تیز تیز قدموں سے لان کی روش پار کر گئی۔

"اور جہاں میری ماما ہوں، وہاں مت آیا کرو۔" وہ اس کے پیچھے چلایا تھا۔ محمل نے تاسف سے برآمدے میں دیکھا، جہاں فرشتے دروازہ بند کر کے گم ہو گئی تھی۔

تیمور ابھی تک لب بھینچے برآمدے کو دیکھ رہا تھا۔

"اف۔۔۔ یہ لڑکا۔۔۔ کیسے سمجھاؤں اسے کہ تمہارے بڑے تمہارے دشمن نہیں ہیں۔" وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں اپنی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھی۔ گود میں ٹوکری تھی جس میں مٹر رکھے تھے۔ تیمور بلقیس کے ساتھ مرکز تک گیا تھا۔ وہ مٹر چھیلتے ہوئے لاشعوری طور پہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

کچن کا دروازہ نیم وا تھا۔ وہ ویسے بھی اس سمت میں بیٹھی تھی کہ لاؤنج سے نظر نہ آ سکتی تھی۔ تب ہی اسے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ساتھ قدموں کی چاپ بھی۔ پھر قریب آتی آوازیں۔۔۔ مٹر چھیلتے اس کے ہاتھ ٹھہر گئے۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"ایسا کب تک چلے گا ہمایوں؟" وہ آرزو تھی اور تنگ کر کہہ رہی تھی۔
"کیا؟"
"انجان مت بنو۔ ہم کب شادی کر رہے ہیں؟"
ان کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔ مٹر کے دانے ہاتھ سے پھسل گئے۔
"کرلیں گے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"
"کیا مطلب جلدی؟ اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں اسے طلاق دیے ہوئے۔"
"اس کی عدت ختم ہو لینے دو۔"
"اور کب ختم ہو گی وہ؟"
"ایک دو ہفتے رہتے ہیں۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں وہیں لاؤنج کے وسط میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔
"کیا اس کی عدت کے ختم ہونے سے پہلے ہم شادی نہیں کر سکتے؟"
"نہیں!" اس کا انداز اتنا سرد مہر اور قطعی تھا کہ پل بھر کو آرزو بھی چپ رہ گئی۔
"مگر ہمایوں...!" اس نے کہنا چاہا۔
"کہا نا نہیں!" وہ اب سختی سے بولا تھا۔ "اگر تمہیں منظور نہیں ہے۔ تو بے شک شادی نہ کرو۔ جاؤ چلی جاؤ۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا گیا۔
نہیں 'ہمایوں' سنو' رکو۔" وہ بوکھلائی ہوئی سی اس کے پیچھے لپکی۔
سیڑھیاں چڑھنے کی آوازیں مدھم ہو گئیں... وہ دونوں اب اس سے دور جا چکے تھے۔
"ماما!" کتنی ہی دیر بعد تیمور نے اسے پکارا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔
"تم کب آئے؟" وہ سنبھلی۔
"ماما!" وہ آہستہ سے اس کے قریب آیا۔ "آپ رو رہی ہیں؟" اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ اس کے چہرے پہ گرتے آنسوؤں پہ رکھے۔ وہ حیران رہ گئی۔ پتا نہیں کب یہ آنسو پھسل پڑے تھے۔
"آپ نہ رویا کریں۔" وہ اب آہستہ سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ محمل بھیگی آنکھوں سے مسکرائی اور اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"میں تو نہیں رو رہی۔"
"آپ رو رہی ہیں۔ میں بچہ تھوڑی ہوں۔" وہ اس کی غلط بیانی پہ خفا ہوا۔
"اچھا' اب تو نہیں رو رہی۔ اور شاپ سے کیا لائے ہو؟"
"چپس!" اس نے چپس کا پیکٹ سامنے کیا۔
"اور میں اتنی دیر سے کیا ہوا ہوں پر آپ نے ابھی تک مٹر نہیں چھیلے یو آر ٹو سلو ماما!" اس نے مٹر کی ٹوکری اس کی گود سے اٹھائی اور کاؤنٹر پہ رکھ دی۔
"آئیں' باہر چلتے ہیں۔"
"رہنے دو تیمور' میرا دل نہیں کر رہا۔"
"بلقیس بوا!" اس کی سنے بغیر بلقیس کو پکارنے لگا۔
"ماما کو باہر لے آؤ۔"
اور وہ اپنی ناقدری کا غم اندر ہی اندر دباتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

بڑے عرصے سے لائبریری کی صفائی نہیں ہوئی تھی۔ وہ کتنے ہفتوں سے سوچ رہی تھی کہ کسی دن کروالے' آج ہمت کر ہی لی۔
بلقیس کو تو کہنے کی دیر تھی۔ فوراً" لگ گئی۔ وہ دروازے کی چوکھٹ پہ وہیل چیئر پہ بیٹھی ہدایات دے رہی تھی۔
"یہ والی بکس اندر رکھ دو' اس طرف والی سامنے کر دو۔ میز سے یہ سب ہٹالو اور اس والے شیلف میں رکھ دو۔"
جھاڑ پونچھ سے گرد اڑ رہی تھی۔ سالوں سے کسی نے کتابوں کو صاف نہیں کیا تھا۔
"بی بی! ان کو تو کیڑا لگ گیا ہے۔" وہ پریشان سی کچھ کتابوں کے کنارے دکھا رہی تھی۔ تاریخ کی پرانی کتابیں۔
"ان کو الگ کر دو۔ اور وہ دراز خالی کرو' یہ اس میں رکھ دیں گے۔"

"اچھا جی!" بلقیس اب اسٹڈی ٹیبل کی درازوں سے کتابیں نکال رہی تھی۔
"ان کو اس آخری شیلف پہ نہ سیٹ کر دوں؟" اس نے دراز سے نکلنے والے کتابوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔
"ہاں کر دو۔" اسے بھلا کیا اعتراض تھا۔ بلقیس پھرتی اور انہماک سے کتابیں صاف کر کے اوپر لگانے لگی۔
ڈھیر ذرا ہلکا ہوا تو اسے ان کتابوں کے بیچ ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ رکھا نظر آیا۔
"یہ لفافہ اٹھا کر دو۔ شاید ہمایوں کے کام کا ہو۔"
کتابیں سیٹ کرتی بلقیس رکی اور خاکی لفافہ اٹھا کر اسے تھمایا۔
لفافہ وزنی نہیں تھا' مگر پھولا ہوا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔
کوئی نام پتہ نہیں لکھا تھا۔ اوپر اکھڑی ہوئی سی ٹیپ لگی تھی جیسے کھول کر پھر لگا دی گئی ہو۔
"پتا نہیں کس کا ہے۔" بنا کسی تجسس کے محمل نے ٹیپ اتاری اور لفافہ ٹکو میں الٹ دیا۔ ایک عدالتی کاغذ اور ساتھ ایک سفید خط کا کور گود میں گرا۔ اس نے زرد عدالتی کاغذ اٹھایا۔
اس کی تہیں کھولیں اور چہرے کے سامنے کیا۔
اسٹامپ پیپر کی تحریر کے نیچے بہت واضح سے دستخط تھے۔
"محمل ابراہیم"
"فرشتے ابراہیم"
وہ بری طرح سے چونکی اور تیزی سے اوپر تحریر پہ نگاہیں دوڑائیں۔
یہ وہی کاغذ تھا جو فواد نے اس سے اور فرشتے سے سائن کروایا تھا۔ وسیم سے نکاح نہ کروانے کی شرط پہ' اس کی گردن پہ پستول رکھ کر۔
مگر یہ ادھر ہمایوں کی لائبریری میں کیا کر رہا تھا؟ وہ تو اس معاملے سے قطعی لاعلم تھا۔ یہ موضوع کبھی زیر بحث آیا ہی نہیں' بس ایک دفعہ آغا جان کے گھر سے واپسی پہ ہمایوں نے اسے اپنا حصہ لینے کے لیے کہا تھا مگر وہ ٹال گئی تھی۔ اگر وہ براہ راست پوچھتا تو وہ بتا دیتی۔
پھر فرشتے نے بھی نہیں بتایا کہ یہ کاغذ اس کے ہاتھ کیسے لگا اور کیا وہ اسی کی وجہ سے اس سے بدظن تھا؟ مگر یہ اتنی بڑی وجہ تو نہیں تھی۔ اور یہ کاغذ ہمایوں کے ہاتھ لگا بھی کیسے یہ تو اس کے پاس تھا۔
اس نے دوسرا سفید لفافہ اٹھایا۔ وہ بے دردی سے چاک کیا گیا تھا اس نے اس کے کھلے منہ میں جھانکا۔ اندر کچھ فوٹوگراف تھے شاید۔
محمل نے لفافہ گود میں الٹ دیا۔ چند تصویریں اس کے گھٹنے پر سے پھسلتی فرش پہ جا گریں اس نے ہاتھ جھکا کر تصویروں کو اٹھایا اور سیدھا کیا۔
وہ فواد اور محمل کی تصاویر تھیں۔ فواد۔ اور... محمل...
وہ ساکت سی ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔ ان میں وہ کچھ تھا جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا فواد اور اس کے کندھے پہ سر رکھے محمل... ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے فواد اور محمل... ہاتھ میں ہاتھ ڈالے واک کرتی فواد اور محمل... اک ساتھ کسی شادی کی تقریب میں رقص کرتے۔ قابل اعتراض تصاویر۔ قابل اعتراض مناظر۔ وہ سب جو کبھی نہیں ہوا تھا۔
اس نے پھر سے تصویروں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔
اس کا لباس اور چہرہ... ہر تصویر میں ذرا الگ تھا۔ کوئی بچہ بھی بتا سکتا تھا کہ وہ فوٹو شاپ یا اس قسم کی کسی ٹرک کا کمال ہے۔ پہلی نظر میں واقعی پتا نہیں لگتا تھا۔ مگر بغور دیکھنے پہ صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ وہ سب نقلی ہے ہمایوں خود ایک پولیس آفیسر تھا' وہ ان بچوں والی باتوں میں نہیں آ سکتا تھا۔ اور کس نے لا کر دیں اس کو یہ تصاویر؟
کیا معیز جو ایک دفعہ آیا تھا' اسی لیے آیا تھا؟" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔
پزل کے سارے ٹکڑے ایک ساتھ جڑنے لگے۔

Scan & Pdf FIAZ AHMED Friends Korner.com

آرزو نے کہا تھا کہ وہ ہمایوں کو اس سے چھین لے گی۔ محمل کو سجا سنورا اور ہنستا بستا دیکھ کر وہ شاید شدید حسد کی آگ میں جلنے لگی تھی۔ اس سے اس کی خوشیاں برداشت نہیں ہو رہی تھیں پھر اسد چچا کی ناگہانی وفات کے بعد یقیناً" وہ لوگ مالی کرائسز کا شکار ہوئے ہوں گے۔ ایسے میں محمل کی طویل بے ہوشی نے آرزو کو امید دلائی ہوگی۔ اور شاید یہ سب ایک سوچا سمجھا پلان تھا۔

یہ جعلی تصاویر بنا کر، محمل اور فرشتے کا دستخط شدہ کاغذ ہمایوں کو دکھا کر اس نے ہمایوں کو بھڑکایا ہوگا۔ مگر کیا ہمایوں چھوٹا بچہ تھا جو ان کی باتوں میں آجاتا؟ کیا ایک سمجھا ہوا پولیس آفیسر اس قسم کے بچکانہ کھیل کا شکار بن سکتا تھا؟ کیا بس اتنی سی باتوں پہ ہمایوں اتنا بدظن ہو گیا تھا؟ اپنی بیوی سے دوری اور آرزو سے بڑھتا ہوا التفات... پزل کا کوئی ٹکڑا اپنی جگہ سے غائب تھا۔ پوری تصویر نہیں بن رہی تھی۔

اس نے بے اختیار ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

"بی بی، تسی ٹھیک ہو؟" بلقیس نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی۔

"ہاں، مجھے باہر لے جاؤ۔" اس نے جلدی سے تصویریں لفافے میں ڈالیں، مبادا بلقیس انہیں دیکھ نہ لے۔

پزل کا کوئی ٹکڑا واقعی غائب تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، جب بیرونی گیٹ پہ ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ جو دانستہ لاؤنج میں بیٹھی تھی، فوراً" الرٹ ہو گئی۔

ہمایوں کی گاڑی کی زن سے اندر داخل ہونے کی آواز... پھر لاک کی کھٹ کھٹ، وہ سر جھکائے بیٹھی تمام آوازیں سنتی گئی، یہاں تک کہ دروازے کے اس طرف بھاری بوٹوں کی چاپ قریب آگئی۔ اس نے بے چینی سے سر اٹھایا۔

وہ اندر داخل ہو رہا تھا، یونیفارم میں ملبوس، کیپ ہاتھ میں لیے، وہ چند قدم چل کر قریب آیا، اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر لمحے بھر کو رکا۔

"السلام علیکم، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"بولو۔" وہ اکھڑے تیوروں سے سامنے آکھڑا ہوا۔

"آپ بیٹھ جائیں۔"

"میں ٹھیک ہوں، بولو۔"

محمل نے گہری سانس لی اور الفاظ ذہن میں مجتمع کیے۔

"مجھے صرف ایک بات کا جواب چاہیے ہمایوں! بس ایک بار مجھے بتا دیں کہ آپ میرے ساتھ ایسے کیوں کر رہے ہیں۔" آنسوؤں کا گولا اس کے حلق میں پھنسنے لگا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں؟"

"آپ کو لگتا ہے، آپ کچھ نہیں کر رہے؟"

"علیحدگی چاہتا ہوں، یہ کیا کوئی جرم ہے؟" وہ سنجیدہ اور بے نیاز تھا۔

"مگر... آپ اتنے کیوں بدل گئے ہیں؟ آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ شکوہ کر بیٹھی۔

"پہلے میں کاٹھ کا الو تھا، جس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی۔ ہوش اب آیا ہے، دیر ہو گئی، مگر خیر۔"

"ہو سکتا ہے، کسی نے اب آپ کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی ہو۔ آپ مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیں۔" اس نے سوچا تھا وہ اس کی منت نہیں کرے گی، مگر اب وہ کر رہی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس سے اسے بے حد محبت تھی، وہ اسے نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"صفائی کا موقع ان کو دیا جاتا ہے جن پہ شک ہو۔ مگر جن پہ یقین ہو، ان پہ صرف حد جاری ہوتی ہے۔" وہ بہت چبا چبا کر بولا تھا۔

"یہ آپ کی اپنی بنائی گئی حدود ہیں ایس پی صاحب! لوگوں کو ان کے اوپر نہ پرکھیں۔ کھوٹے کھرے کو الگ کرنے کا پیمانہ دل میں ہوتا ہے، ہاتھوں میں نہیں۔

کہیں آپ کو پچھتانا نہ پڑ جائے۔"

"کھوٹے کھرے کی پہچان مجھے بہت دیر سے ہوئی ہے محمل بی بی! جلدی ہوتی تو اتنا نقصان نہ اٹھاتا۔"

ان تین ماہ میں پہلی دفعہ اس نے محمل کا نام لیا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"اگر میں کھوٹی ہوں تو جس کے پیچھے مجھے چھوڑ رہے ہیں، اس کے کھرے پن کو بھی ماپ لیجیے گا۔ کہیں پھر دھوکا نہ ہو جائے۔"

"وہ تم سے بہتر ہے۔" چند لمحے خاموش رہ کر وہ سرد لہجے میں بولا اور ایک گہری چبھتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈال کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہ نم آنکھوں سے اسے زینے چڑھتے دیکھتی رہی۔ آج ہمایوں نے اپنی بے وفائی پہ مہر لگا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے برش لیے مغموم، گم صم سی بیٹھی تھی، جب فرشتے نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

"میری چھوٹی بہن کیا کر رہی ہے؟" اس نے چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" محمل نے مسکرا کر گردن موڑی۔ اس کے کھلے بال شانوں پہ گرے تھے۔

"تو کچھ خاص کرتے ہیں۔" وہ اندر چلی آئی۔ فیروزی شلوار قمیص پہ سلیقے سے سر پہ دوپٹہ لیے وہ ہمیشہ کی طرح بہت تر و تازہ لگ رہی تھی۔

"تمہارے بال ہی بنا دوں لاؤ۔" اس نے رسان سے کہتے ہوئے برش محمل کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے کھلے بالوں کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹا۔

"بس اب تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ اب پیار سے اس کے بالوں میں اوپر سے نیچے برش کر رہی تھی۔ وہ محمل کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑی تھی، محمل کو آئینے میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے آگے کا کیا سوچا؟"

"پتا نہیں، جب عدت ختم ہو جائے گی تو چلی جاؤں گی۔" وہ بے زار ہوئی۔

"لیکن کدھر؟" فرشتے نے اس کے بالوں کو سلجھا کر سمیٹ کر اونچا کیا۔

"اللہ کی دنیا بہت وسیع ہے، پہلے آغا جان کو ڈھونڈوں گی، اگر وہ نہ ملے تو مسجد چلی جاؤں گی۔ مجھے امید ہے کہ مجھے ہاسٹل میں رہنے دیا جائے گا۔"

"ہوں۔" اس نے اونچی سی پونی باندھی، پھر ان بالوں کو دوبارہ سے ذرا سا برش کیا۔

"اور آپ نے کیا سوچا؟ میرے بعد تو آپ کو بھی جانا ہوگا۔"

"میں شاید ورکنگ ویمن ہاسٹل چلی جاؤں، پتا نہیں ابھی کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا، خیر چھوڑو، آج میں نے چائنیز بنایا ہے، تمہیں منچورین پسند ہے نا؟ اب فٹافٹ چلو، کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے محمل کی وہیل چیئر پیچھے سے تھام کر اس کا رخ موڑا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ عرصہ ہوا، ذائقے محسوس کرنا چھوڑ دیے ہیں۔ مگر ایسی مایوسی کی باتیں اللہ کو ناراض کر دیتی ہیں، اسی لیے چپ رہی۔ ہمایوں کی طرف سے دل اتنا دکھا ہوا تھا کہ ایسے میں فرشتے کا دھیان بٹانا اچھا لگا۔

ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا ہوا تھا۔ گرم گرم چاولوں کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔

"تیمور کدھر؟" وہ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔ پھر تھک کر بولی۔ "میں کیا کروں جو وہ آپ کو ناپسند کرنا چھوڑ دے؟"

"یہ چاول کھاؤ، بہت اچھے بنے ہیں۔" فرشتے نے مسکرا کر ڈش اس کے سامنے رکھی، اس کا ضبط بھی کمال کا تھا۔

"تیمور کی ساری بدلحاظیوں پہ میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

"اونہوں، جانے دو، میں مائنڈ نہیں کرتی، خالہ بھی ماں جیسی ہی ہوتی ہے۔"

محمل بھیگی آنکھوں سے ہولے سے ہنس دی۔

فرشتے نے رک کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟ کیا نہیں

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

ہوتی؟"

"میرے بھانجے نہیں ہیں' ورنہ ضرور اپنی رائے دیتی' لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی فرمایا ہے تو آف کورس' ٹھیک ہے۔"

"کیا؟" فرشتے الجھی۔

"یہ ہی کہ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے' یہ ایک حدیث ہے نا۔"

"اوہ اچھا؟ مجھے بھول گیا تھا۔" فرشتے سر جھٹک کر مسکرا دی اور چاول اپنی پلیٹ میں نکالنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ دن اپنی دانست میں "ہمایوں کے گھر میں" اس کا آخری دن تھا۔ کل دوپہر اس کی عدت کو تین قمری ماہ مکمل ہو جانے تھے اور تب وہ شرعی طور پہ ہمایوں کی بیوی نہ رہتی اور پھر اس گھر میں رہنے کا جواز بھی ختم ہو جاتا۔

آج وہ صبح اترتے ہی لان میں آ بیٹھی تھی۔ چڑیاں اپنی مخصوص بولی میں کچھ گنگنا رہی تھیں۔ گھاس شبنم سے گیلی تھی۔ سیاہ بادلوں کی ٹکڑیاں آسمان پہ جا بجا بکھری تھیں۔ امید تھی کہ آج رات بارش ضرور ہو گی۔

شاید اس کی اس گھر میں آخری بارش۔

فرشتے صبح جلد ہی کسی کام سے باہر گئی تھی۔ ہمایوں رات دیر سے گھر آیا تھا اور صبح سویرے نکل گیا تھا۔ تیمور اندر سو رہا تھا۔ اور بلقیس اپنے کوارٹر میں تھی۔ سو وہ لان میں تنہا اور مغموم بیٹھی چڑیوں کے اداس گیت سن رہی تھی۔ آنسو قطرہ قطرہ اس کی کانچ سی بھوری آنکھوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

اس گھر کے ساتھ اس کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ زندگی کا ایک بے حد حسین اور پھر ایک بے حد تلخ دور اس نے گھر میں گزارا تھا۔ یہاں اسی ڈرائیو وے پہ وہ پہلی دفعہ سیاہ ساڑھی میں اتری تھی' اس رات جب اس کی مشکلات کا آغاز ہوا تھا۔ پھر ادھر ہی وہ سرخ کام دار جوڑے میں دلہن بنا کر لائی گئی تھی' کبھی وہ ادھر ملکہ کی حیثیت سے بھی رہی تھی' مگر خوشی کے دن جلدی گزر جاتے ہیں' اس کے بھی گزر گئے تھے۔ ایک سیاہ تاریک نیند کا سفر تھا اور وہ بہت نیچے لا کر پھینک دی گئی تھی۔

"ماما۔" تیمور نیند بھری آنکھیں لیے اس کا شانہ جھنجوڑ رہا تھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا' پھر مسکرا دی۔

"ہاں بیٹا!" اس نے بے اختیار پیار سے اس کا گال چھوا۔

"کیوں رو رہی ہیں اتنی دیر سے؟ کب سے دیکھ رہا ہوں۔" وہ معصومیت بھری فکر مندی لیے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ غالباً "ابھی جاگا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" محمل نے جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔

"آپ بہت روتی ہیں ماما۔ ہر وقت روتی ہی رہتی ہیں۔" وہ خفا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ دنیا کے سارے لوگوں سے زیادہ روتی ہوں گی۔"

"نہیں تو اور تمہیں پتا ہے کہ دنیا کے سارے لوگوں سے زیادہ آنسو کس انسان نے بہائے تھے؟"

"کس نے؟" وہ حیرت بھرے اشتیاق سے اس کے قریب ہوا۔

"ہمارے باپ آدم علیہ السلام نے جب ان سے اس درخت کو چھونے کی غلطی ہوئی تھی۔" وہ نرمی سے اس کے بھورے بالوں کو سہلاتی بتا رہی تھی' اسے تیمور کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا تھا' اس کا ذہن بٹانے میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔

"اچھا!" وہ حیران ہوا۔ "اور ان کے بعد؟"

"ان کے بعد داؤد علیہ السلام نے' جب ان سے ایک فیصلے میں ذرا سی کمی رہ گئی تھی۔"

"اور ان کے بعد؟"

"ان کے بعد؟" اس نے گہری سانس لی۔ "پتا نہیں بیٹا! یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ آپ بھی بہت روتی ہیں مما' مگر آپ کو پتا ہے آپ جیسی مدر کسی کی نہیں ہیں۔ میرے کسی فرینڈ کی بھی نہیں' کوئی ٹیچر بھی نہیں۔"

"میرے جیسی کیسی؟" اسے حیرت ہوئی۔

"آپ جیسی Noble اور Honourable۔ آپ کو پتا ہے' آپ میرے لیے پوری دنیا میں سب سے زیادہ آنریبل اور نوبل ہیں۔"

"جبکہ میں ایسی نہیں ہوں۔ تمہیں پتا ہے' noble کون تھے؟"

محمل نے ایک گہری سانس لی۔

"یوسف علیہ السلام جو پیغمبر کے بیٹے' پیغمبر کے پوتے اور پیغمبر کے پڑپوتے تھے۔"

"وہ کیوں ماما؟"

"وہ کیوں؟" اس نے زیر لب اس کا سوال دہرایا۔ بے اختیار آنکھوں میں اداسی چھا گئی۔ "کیونکہ شاید وہ بہت صبر کرنے والے تھے اور الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی۔

"بتائیں نا ماما۔" وہ بے چین ہوا۔ "میں جب بھی آپ سے حضرت یوسف کی اسٹوری سنتا ہوں۔ آپ یوں ہی اداس ہو جاتی ہیں۔"

"پھر کبھی بتاؤں گی' تمہارا اسکول کب کھل رہا ہے؟" اس نے بات پلٹ دی۔

"منڈے کو۔"

"اور تمہارا ہوم ورک ڈن ہے؟"

"یہ باتیں چھوڑیں' مجھے پتا ہے آپ اپ سیٹ ہیں۔ کل آپ اور ڈیڈی ہمیشہ کے لیے الگ ہو جائیں گے' ہے نا؟" وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے' اداسی سے بولا۔

"ہاں! ہو تو جائیں گے' تم میرے ساتھ چلو گے یا ڈیڈی کے پاس رہو گے؟" اس نے خود کو بے پروا ظاہر کرنا چاہا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا' اس چڑیل کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ مجھے پتا ہے ڈیڈی فوراً" شادی کر لیں گے۔" اسے شاید آرزو بہت بری لگتی تھی۔ وہ محمل کو اس پہ ترجیح دے رہا تھا۔ اسے یاد آیا' ہمایوں نے کہا تھا' وہ اس سے بہتر ہے۔

"وہ مجھ سے بہتر ہے تیمور؟" وہ ہمایوں کی اس زہریلی بات کو یاد کر کے پھر سے دکھی ہو گئی۔

"کون؟" تیمور کی سفید بلی بھاگتی ہوئی اس کے قدموں میں آ بیٹھی تھی۔ وہ جھک کر اسے اٹھانے لگا۔

"آرزو۔" بہت دفعہ سوچا تھا کہ بچے سے یہ معاملہ ڈسکس نہیں کرے گی' مگر رہ نہیں سکی۔

"آرزو آنٹی؟" تیمور بلی کو بازوؤں میں اٹھا کر سیدھا ہوا۔ "وہ جو آپ کی کزن ہیں' جو ادھر آتی ہیں؟"

"ہاں' وہ ہی۔"

"وہ آپ سے اچھی تو نہیں ہیں' نہیں' بالکل نہیں۔" وہ سوچ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"پھر تمہارے ڈیڈی کیوں اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا تم اسے ماں کے روپ میں قبول کر سکو گے؟" کتنا خود کو سمجھایا تھا کہ بچے کو درمیان میں انوالو نہیں کرے گی' مگر ہمایوں کی اس روز کی بات ابھی تک کہیں اندر چبھ رہی تھی' لیکن پھر کہہ کر خود ہی پچھتائی۔

"چھوڑو' جانے دو' یہ بلی ادھر دکھاؤ۔"

مگر تیمور الجھا الجھا سا اسے دیکھ رہا تھا۔ بلی ابھی تک اس کے بازوؤں میں تھی۔

"ڈیڈی' آرزو آنٹی سے شادی کر رہے ہیں؟" اس کی آواز میں بے پناہ حیرت تھی۔

"تمہیں نہیں پتا؟"

"آپ کو یہ کس نے کہا ہے؟" وہ کنفیوزڈ بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔

"تمہارے ڈیڈی نے بتایا تھا اور ابھی تم خود کہہ رہے تھے کہ وہ اس سے شادی کر لیں گے۔"

تیمور اسی طرح الجھی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ موٹی بلی اس کے ننھے ننھے ہاتھوں سے پھسلنے کو بے تاب کسمسا رہی تھی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

"آرزو آنٹی سے؟ نہیں ماما' ڈیڈی تو ان سے شادی نہیں کررہے۔"

"مگر تم نے۔" لیکن تیمور کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"وہ تو فرشتے سے شادی کررہے ہیں۔ آپ کو نہیں پتا؟"

اسے لگا کسی نے ڈھیروں پتھر اس کے اوپر لڑھکا دیے ہوں۔

"تیمور!" وہ درشتی سے چلائی تھی۔ "تم ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟"

بلی سہم کر تیمور کے بازوؤں سے نیچے کودی۔

"آپ کو نہیں پتا ماما؟" وہ اس سے بھی زیادہ حیران تھا۔

"تم نے ایسی بات کی بھی کیسے؟ مائی گاڈ' وہ میری بہن ہے' تم نے اتنی غلط بات کیوں کی اس کے بارے میں؟" غصہ اس کے اندر سے ابلا تھا۔ وہ گمان بھی نہیں کرسکتی کہ تیمور ایسے کہہ سکتا ہے۔

"ماما! آپ بے شک ڈیڈی سے پوچھ لیں' فرشتے سے پوچھ لیں۔ وہ دونوں شادی کررہے ہیں۔"

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ' تم اس لڑکی کے بارے میں ایسی بات کررہے ہو جو میری بہن ہے؟"

"جی ماما! اسی لیے تو ڈیڈی نے آپ کو ڈائیو رس دی ہے' بی کازشی از یور سسٹر' اور مسلم ایک ٹائم پہ دو سسٹرز سے شادی نہیں کرسکتے۔"

محمل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

"آئی تھاٹ' آپ کو پتا ہے' میں نے آپ کو کہا تو تھا کہ ڈیڈی اس چڑیل سے شادی کررہے ہیں۔"

اور تیمور فرشتے کو بھی چڑیل کہتا تھا' وہ کیوں بھول گئی؟ اس کا دماغ بری طرح چکرانے لگا تھا۔

"نہیں تیمور' وہ میری بہن ہے۔" اس کی زبان لڑکھڑائی۔

"وہ اسی لیے تو ادھر ہمارے ساتھ رہتی ہے' تاکہ جب آپ چلی جائیں تو وہ ڈیڈی سے شادی کرلے۔"

"مگر تیمور' وہ میری بہن ہے۔" اس کی آواز ٹوٹنے لگی تھی۔

"آپ نے نہیں دیکھا' جب وہ ڈیڈی کے ساتھ شام کو باہر جاتی ہیں؟" ایک دفعہ وہ مجھے بھی لے گئے تھے' وہ سمجھتے ہیں میں بچہ ہوں' مجھے کچھ پتا نہیں چلتا۔"

"مگر تیمور! وہ تو میری بہن ہے۔" وہ بکھری' شکست خوردہ سی' گھٹی گھٹی آواز میں چلائی تھی۔ اسے لگ رہا تھا' کوئی دھیرے دھیرے اس کی جان نکال رہا ہے۔ تیمور کیا کہہ رہا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"مجھے اسی لیے وہ اچھی نہیں لگتی' وچ نمبرون' اس کی وجہ سے ڈیڈی آپ کو سیپریٹ کررہے ہیں۔ آپ نے نہیں دیکھا' جب وہ شام کو ڈیڈی کے ساتھ باہر ریسٹورنٹ جاتی ہے؟"

"نہیں' تم غلط کہہ رہے ہو' شام کو تو وہ مسجد جاتی ہے' وہ ادھر پڑھاتی ہے۔"

اسے یاد آیا' شام کو فرشتے مسجد جاتی تھی۔ یقیناً تیمور کو غلط فہمی ہوئی ہوگی' اس نے غلط سمجھا ہوگا۔

"مسجد؟" اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "یہ ساتھ والی مسجد؟ ماما' آپ کدھر رہتی ہیں؟ فرشتے تو کبھی مسجد نہیں گئی۔"

"وہ... وہ ادھر قرآن پڑھاتی ہے' تمہیں نہیں پتا' تیمور' وہ..."

"وہ تو کبھی قرآن نہیں پڑھتی' میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔"

"نہیں! وہ مجھ سے اور تم سے زیادہ قرآن پڑھتی ہے۔ اس نے... اس نے ہی تو مجھے قرآن سکھایا تھا۔ تم غلط کہہ رہے ہو' وہ ایسے نہیں کرسکتی۔" وہ نفی میں سر ہلاتے' اسے جھٹلا رہی تھی۔

"آپ نے کبھی اس کو قرآن پڑھتے دیکھا؟ مسجد جاتے دیکھا؟"

"وہ..." وہ جو فرشتے کے دفاع میں' تیمور کو جھٹلانے کے لیے کچھ کہنے لگی تھی' ایک دم رک گئی۔

اس نے اسپتال سے آکر کبھی فرشتے کو مسجد جاتے

فیس فریش™©

کلینزر کریم

پانچ اضافی خوبیوں کے ساتھ

1 چھائیوں، جھریوں، داغ دھبوں اور کالے نشانات کو مکمل طور پر صاف کرے۔

2 آئلی سکن، نارمل سکن، اور ڈرائی سکن کیلئے یکساں مفید ہے۔

3 یہ ہر قسم کے مضر اثرات سے پاک کریم ہے۔

4 مرد و خواتین کیلئے یکساں مفید ہے۔

بہترین رزلٹ کے لئے کم از کم 15 دن استعمال کریں

www.facefreshproducts.com

Digital Creations

Scan & PDF HAZ AHMED Friends Komer.com

نہیں دیکھا تھا، کبھی قرآن پڑھتے نہیں دیکھا تھا، ہاں نمازیں وہ ساری پڑھتی تھی۔

"کم آن ماما، آپ بلقیس بوا سے پوچھ لیں، وہ مسجد نہیں جاتی، کیا آپ کو اس نے خود کہا ہے کہ وہ مسجد جاتی ہے؟" اور تیمور کے سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"اسپتال کی وجہ سے صبح کی کلاسز لینا ممکن نہیں تھا۔" فرشتے نے تو اس کے استفسار پہ مبہم سا جواب دیا تھا۔ باقی سب اس نے خود فرض کر لیا تھا۔

تو کیا تیمور سچ کہہ رہا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں، فرشتے اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو اس کی بہت پیاری، بہت خیال رکھنے والی بہن تھی، وہ بھلا کیسے۔

"وہ مسجد نہیں جاتی، وہ ڈیڈی کے ساتھ جاتی ہے، پہلے ڈیڈی گاڑی پہ نکلتے ہیں، پھر وہ باہر نکلتی ہے اور کالونی کے اینڈ پہ ڈیڈی اس کو پک کر لیتے ہیں، تاکہ بلقیس بوا کو پتا نہ چلے۔ میں نے ٹیرس سے بہت دفعہ دیکھا ہے، صبح بھی وہ ڈیڈی کے ساتھ ہی گئی تھی۔"

وہ پتھرنی سن رہی تھی۔

"جب آپ اسپتال میں تھیں تب بھی وہ یوں ہی کرتے تھے۔ پر میں کوئی چھوٹا بے بی تو نہیں ہوں، مجھے سب سمجھ آتا ہے۔"

"یہ سب کب ہوا؟ کیسے ہوا؟" وہ متحیر، بے یقین سی سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ تیمور آگے بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا، مگر وہ نہیں سن رہی تھی، تمام آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ سب چہرے مٹ گئے تھے۔ ہر طرف اندھیرا تھا، سناٹا تھا۔

"ماما! آپ ٹھیک ہو؟" تیمور نے پریشانی سے اس کا ہاتھ ہلایا۔ وہ ذرا سی چونکی۔ آنکھوں کے آگے جیسے دھند سی چھا رہی تھی۔

"مجھے... مجھے اکیلا چھوڑ دو بیٹا۔" اس نے بے اختیار چکراتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"ابھی... ابھی جاؤ یہاں سے پلیز۔"

چند لمحے وہ اداسی سے اسے دیکھتا رہا، پھر جھک کر گھاس پہ بیٹھی موٹی سفید بلی اٹھائی اور واپس پلٹ گیا۔

"کیا یہ ہی واحد وجہ ہے؟"

"کیا تمہیں بالکل امید نہیں ہے کہ وہ رجوع کرے گا؟"

"کیا تم خود کو اتنا اسٹرانگ فیل کرتی ہو کہ حالات کا مقابلہ کر لو گی؟" اس کے ذہن میں فرشتے کی باتیں گونج رہی تھیں۔

ہر شام ہمایوں گھر سے چلا جاتا۔ کسی دوست کے پاس، ہر شام فرشتے بھی گھر سے چلی جاتی۔ اس نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کدھر جاتی ہے۔ اس نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ محمل کی عدت ختم ہونے کے بعد کدھر جائے گی؟ اور وہ ابھی تک ادھر کیوں رہ رہی تھی؟ کیا صرف محمل کی کیئر کے لیے؟ وہ کیئر تو کوئی نرس بھی کر سکتی تھی۔ پھر وہ کیوں ان کے گھر میں تھی؟ اس نے کبھی فرشتے کو قرآن پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

جس روز وہ مسجد گئی تھی۔ فرشتے ادھر نہیں تھی۔ وہ شام تک وہیں رہی، مگر وہ ادھر نہیں آئی۔ وہ غلط فہمی کا شکار رہی اور فرشتے نے اس کی غلط فہمی نہیں دور کی۔

اور آرزو؟ اس کا کیا قصہ تھا؟ وہ گواہ تھی کہ ہمایوں اس سے شادی کر رہا تھا۔ اس نے خود آرزو سے یہی کہا تھا مگر جب محمل نے پوچھا تھا تب اس نے کیا کہا تھا، "یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے کبھی نہیں کہا کہ وہ آرزو سے شادی کر رہا ہے۔ فرشتے نے بھی اس کے اور آرزو کے غیر واضح تعلق پہ فکرمندی نہیں ظاہر کی۔ وہ سب کسی سوچی سمجھی پالیسی کا حصہ تھا، وہ دونوں جانتے تھے اور ایک اسی کو بے خبر رکھا تھا۔ وہ تم سے بہتر ہے۔ یہ ہی کہا تھا ہمایوں نے "اور وہ یقیناً" فرشتے کی بات کر رہا تھا۔

لیکن وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ وہ اس کے گھر میں خیانت کیسے کر سکتی ہے؟ وہ تو قرآن کی طالبہ تھی، وہ تو سچی تھی، وہ تو امانت دار تھی۔ پھر وہ کیوں بدل گئی؟ وہ جو تحریروں کی امانت کا خیال رکھتی تھی، رشتوں میں خیانت کیسے کر گئی؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ دل ڈوبا جا رہا تھا۔ آج اسے لگا تھا کہ سب دھوکے باز نکلے تھے، سب خود غرض نکلے تھے۔ ہر شخص اپنی زمین کی طرف جھکا تھا۔ اس کا کوئی نہیں تھا، کوئی بھی نہیں، وہ کتنی ہی دیر ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھی رہی۔

بہت سے لمحے سرکے، تو اسے یاد آیا کہ جہاں سب بدل گئے تھے، وہاں کوئی نہیں بھی بدلا تھا۔ جہاں سب نے دھوکا دیا، وہاں کسی نے اس کا خیال بھی رکھا تھا۔ جہاں سب ساتھ چھوڑ گئے۔ وہاں کسی نے سہارا بھی دیا تھا۔

"اوہ!" اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور پھر دھیرے سے وہیل چیئر کے پہیوں کو اندر کی جانب موڑا۔

اس کے کمرے میں شیلف کے اوپر اس کا سفید جلد والا مصحف قرآن رکھا تھا۔ اس نے سرعت سے اسے اٹھایا۔ اس وقت اسے اس کی بے حد ضرورت تھی۔

مصحف کے نیچے اس کا پرانا رجسٹر رکھا تھا۔ اس نے قرآن اٹھایا تو رجسٹر پھسل کر نیچے جا گرا۔ محمل نے ایک ہاتھ میں قرآن پکڑے، جھک کر رجسٹر اٹھایا۔ وہ درمیان سے کھل گیا تھا۔ اسے بند کر کے واپس رکھتے ہوئے وہ ٹھہر سی گئی، کھلے صفحے پہ سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر لکھی تھی جس پہ وہ ہمیشہ الجھتی تھی۔ حطتہ اور حنطتہ۔ یہ صفحہ بہت دفعہ کھولنے کے باعث اب رجسٹر کھولتے ہی یہ کھل جاتا تھا۔

کھلا ہوا رجسٹر اس کے دائیں ہاتھ میں تھا اور قرآن بائیں میں، دونوں اس کے بالکل سامنے تھے۔ رجسٹر کی سطر حنطتہ کا مطلب ہوتا ہے گن۔ کے آگے صفحہ ختم تھا۔ وہ بے اختیار اس سطر کو قرآن کے سفید کور کے قریب لائی جہاں مٹا مٹا سا م لکھا تھا۔

اس نے گن اور م کو ملایا۔ دونوں کے درمیان ایک، ایک ننھا سا نقطہ تھا۔ اس نے نقطوں کو جوڑا، ادھورا لفظ مکمل ہو گیا۔

"گندم"

وہ ننھے نقطے دال کے دو حصے تھے۔

اسے یاد آیا وہ غلطی سے قرآن پہ رجسٹر رکھ کر لکھ رہی تھی۔ صفحہ ختم ہوا تو لاشعوری طور پہ اس نے لفظ قرآن کے کور پہ مکمل کر دیا۔ اسی وقت اسے کلاس انچارج سے ڈانٹ پڑی تو یہ بات ذہن سے محو ہو گئی۔ وہ کبھی جان ہی نہ پائی کہ یہ مٹا مٹا سا م اس ادھورے لفظ کی تکمیل تھا۔

آج برسوں بعد وہ قصہ مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک روشنی کا کوندا سا لپکا تھا اور ساری گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔

بنی اسرائیل کو شہر کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل بخشش مانگنے کا حکم ملا تھا۔ مگر وہ گندم مانگتے رہے۔ بخشش نہیں مانگی۔ یہ بنی اسرائیل کی ریت تھی اور یہ ہی ریت خود اس نے بھی دہرائی تھی۔

ہم زمانہ جاہلیت سے دور اسلام میں آ کر ایک ہی دفعہ توبہ کرتے ہیں، ساری عمر پھر عمل صالح تو کرتے رہتے ہیں، مگر بار بار کی توبہ بھول جاتے ہیں، ہم ایک کھائی سے بچ کر سمجھتے ہیں کہ زندگی میں پھر کبھی کھائی نہیں آئے گی اور اگر آئی تو بھی ہم بچ جائیں گے۔ ہم ہمیشہ نعمتوں کو اپنی نیکیوں کا انعام سمجھتے ہیں اور مصیبتوں کو گناہوں کی سزا... اس دنیا میں جزا بہت کم ملتی ہے اور اس میں بھی امتحان ہوتا ہے، نعمت شکر کا امتحان ہوتی ہے اور مصیبت صبر کا اور زندگی کے کسی نئے امتحان میں داخل ہوتے ہی منہ سے پہلا کلمہ حطتہ کا نکلنا چاہیے۔ مگر ہم وہاں بھی گندم مانگنے لگتے ہیں۔

اللہ اسے زندگی کے ایک مختلف فیز میں لایا تو اسے بخشش مانگنی چاہیے تھی۔ مگر وہ "ہمایوں" اور "تیمور" کو مانگنے لگ گئی۔ حنطتہ حنطتہ کہنے لگ گئی۔ گندم مانگنا برا نہیں تھا۔ مگر پہلے بخشش مانگنی تھی۔ وہ پہلا زینہ چڑھے بغیر دوسرے کو پھلانگنا چاہ رہی تھی اور ایسے پار کب لگا جاتا ہے؟

اسے نہیں معلوم وہ کتنی دیر تک میز پہ سر رکھے زارو قطار روتی رہی، آج اسے اپنے سارے گناہ پھر سے یاد آ رہے تھے۔ آج وہ پھر سے توبہ کر رہی تھی۔ وہ توبہ جو بار بار کرنا ہم "نیک" بننے کے بعد بھول جاتے

Scan & PDF FIAZ AHMED Friendskorner.com

ہیں۔

زندگی میں بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں جب آپ سے خود قرآن نہیں پڑھا جاتا۔ اس وقت آپ کسی اور سے قرآن سننا چاہتے ہیں۔ آپ کا دل چاہتا ہے کہ کوئی آپ کے سامنے کتاب اللہ پڑھتا جائے اور آپ روتے جائیں۔ بعض دفعہ آپ خوش ہونے کے لیے اس کے پاس جاتے ہیں اور بعض دفعہ صرف رونے کے لیے۔

اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ خوب روئے۔ قرآن سنتی جائے اور روتی جائے۔ تلاوت کی کیسٹوں کا ڈبہ قریب ہی رکھا تھا۔ ٹیپ ریکارڈ بھی ساتھ تھا۔ اس نے بنا دیکھے آخر سے ایک کیسٹ نکالی اور بنا دیکھے ہی ڈال دی۔ ابھی نہ وہ معانی جاننا چاہتی تھی' نہ ہی قسم پہ غور و فکر کرنا چاہتی تھی۔ ابھی وہ صرف سننا چاہتی تھی' صرف رونا چاہتی تھی۔

اس نے پلے کا بٹن دبایا اور سر میز پہ رکھ دیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک کر میز کے شیشے پہ گر رہے تھے۔ قاری صہیب احمد کی پُرسوز آواز دھیرے سے کمرے میں گونجنے لگی تھی۔ "والضحی... قسم ہے دن کی۔"

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے اپنی زندگی کے روشن دن یاد آرہے تھے' جب وہ اس گھر کی ملکہ تھی۔

"اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔"

اس کو وہ سناٹے بھری رات یاد آئی جب ہمایوں نے اسے طلاق دی تھی' وہ رات جب وہ یہیں بیٹھی چھت کو دیکھتی رہی تھی۔

تمہارے رب نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہے۔ (الضحی 3)

اس کے آنسو روانی سے گرنے لگے تھے۔ یہ کون تھا جو اس کی ہر سوچ پڑھ لیتا تھا؟ یہ کون تھا؟

"یقیناً" تمہارے لیے انجام آغاز سے بہتر ہوگا۔" (الضحی 4)

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ کیا واقعی اب بھی اس سارے کا انجام اچھا ہو سکتا تھا؟

"تمہارا رب بہت جلد تمہیں وہ دے گا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔" (الضحی 5)

ذرا چونک کر بہت آہستہ سے محمل نے سر اٹھایا۔ اللہ کو اس کی اتنی فکر تھی کہ وہ اس کے اداس دل کو تسلی دینے کے لیے یہ سب اسے بتا رہا تھا؟ کیا وہ واقعی اس سے ناراض نہیں تھا؟ کیا واقعی اس نے اسے چھوڑا نہیں تھا؟

"کیا اس نے تمہیں یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا؟" (الضحی 6)

وہ اپنی جگہ سن سی رہ گئی۔ یہ... یہ سب... اتنا واضح' اتنا صاف' یہ سب اس کے لیے اترا تھا؟ کیا وہ اس قابل تھی؟

کیا اس نے تمہیں راہ گم پا کر ہدایت نہیں دی؟ (الضحی 7)

وہ ساکت سی سنے جا رہی تھی' ہاں' یہ ہی تو ہوا تھا۔

"اور تمہیں نادار پا کر غنی نہیں کر دیا؟" (الضحی 8)

اس کے آنسو گرنا رک گئے تھے۔ کپکپاتے لب ٹھہر گئے تھے۔

"پس تم بھی یتیم پہ سختی نہ کرنا' اور سائل کو مت ڈانٹنا۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا۔" (الضحی 9)

سورۃ الضحی ختم ہو چکی تھی۔ اس کی زندگی کی ساری کہانی گیارہ آیتوں میں سمیٹ کر اسے سنا دی گئی تھی۔ وہ سورۃ جیسے ابھی ابھی آسمانوں سے اتری تھی' اس کے لیے' صرف اس کے لیے۔

اس نے تھک کر سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ کچھ دیر ہر سوچ سے بے نیاز سونا چاہتی تھی۔

پھر اٹھ کر اسے فرشتے سے ملنا تھا۔

☆ ☆ ☆

بادل زور سے گرجے تھے۔

محمل نے ایک نظر کھڑکی سے باہر پھسلتی شام پہ ڈالی

اور دوسری بند دروازے پہ۔ اس کی دوسری طرف اسے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ابھی چند منٹ قبل اس نے فرشتے کو گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے آنے کے کچھ دیر بعد ہمایوں کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی۔ البتہ وہ بمشکل ایک منٹ بعد ہی کچھ کاغذات اٹھا کر واپس چلا گیا تھا۔ اس کی گاڑی ابھی ابھی نکلی تھی۔

وہ کھڑکی کے اس طرف چوکیدار کو گیٹ بند کرتے دیکھ رہی تھی' جب دروازہ ہولے سے بجا۔

"محمل؟" فرشتے نے اپنے مخصوص نرم انداز میں پکارا' پھر ہولے سے دروازہ کھولا۔ اب وہ کثرت سے سلام نہیں کرتی تھی۔ محمل نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ دراز قد' کانچ سی سنہری آنکھوں والی لڑکی' جو کھلتے گلابی رنگ کے لباس میں' سر پہ دوپٹہ لیے کھڑی تھی۔ وہ کون تھی' اسے لگا وہ اسے نہیں جانتی۔

"کیسی ہو؟" نرم سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے وہ اندر داخل ہوئی۔

"جیلیس بتا رہی تھی' تم میرا پوچھ رہی تھیں۔" وہ آگے بڑھ کر عادتاً" شیلف پہ پڑی کتابیں' رجسٹر اور ٹیپ وغیرہ سلیقے سے جوڑنے لگی۔ اس کے بھورے بال کھلے تھے اور اس نے ان ہی پہ دوپٹہ لے رکھا تھا' ایسے کہ چند لٹیں باہر گر رہی تھیں۔ گلابی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"جی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کدھر ہیں۔" محمل نے بغور اس کو دیکھا' جو اس کے سامنے سر جھکائے کتابیں سیٹ کر رہی تھی۔

اسے ابھی بھی تیمور کی بات پہ مکمل یقین نہ تھا۔ فرشتے ایسا نہیں کر سکتی تھی' کبھی بھی نہیں' یقیناً" تیمور کو سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔

"میں ایک دوست کے ساتھ تھی' کچھ شاپنگ کرنا تھی۔" بے حد رسان سے بتا کر اس نے رجسٹر ایک دوسرے کے اوپر رکھے۔

نہ اس نے جھوٹ بولا' نہ سچ بتایا۔ اس کا یقین ڈگمگانے لگا۔

"آپ نے آگے کا کیا سوچا ہے فرشتے؟ میرے جانے کے بعد آپ کیا کریں گی؟"

"ابھی پلان کروں گی' دیکھو' کیا ہوتا ہے۔" وہ اب گلدان میں رکھے گلدستے سے سوکھے پھول احتیاط سے نکال رہی تھی۔ اس کے جواب مبہم تھے... نہ سچ' نہ جھوٹ۔

"اور تم سارا دن کیا کرتی رہیں؟" اس نے چرمرائے سوکھے پھول ڈسٹ بن میں ڈالے۔

"کچھ خاص نہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئیں' اپنی اپنی سوچوں میں گم۔

اب اس کے پاس حقیقت جاننے کا ایک ہی طریقہ تھا اور اس نے اسے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔

"فرشتے' وہ جسم کس کی کرسی پہ ڈالا گیا تھا؟"

"کون سا جسم؟" فرشتے نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پلٹنے سے اس کا دوپٹہ سر کنے سے بھورے بال جھلکنے لگے۔

"قرآن میں ایک جگہ ایک جسم کا ذکر ہے' جو کسی کی کرسی پہ ڈالا گیا تھا۔ آپ کو یاد ہے وہ کس کا جسم تھا؟" اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ بھول گئی ہو۔

فرشتے نے الجھ کر چند لمحے سوچا' پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں' مجھے نہیں یاد آرہا۔"

اور محمل کو سارے جواب مل گئے تھے۔ فرشتے قرآن بھول گئی تھی۔ اگر وہ اسے پڑھتی رہتی تو اسے یاد رہتا' لیکن وہ اسے پڑھنا چھوڑ چکی تھی اور قرآن تو چند دن کے لیے بھی چھوڑ دیا جائے تو وہ فوراً" ذہنوں سے مکمل طور پہ محو ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب اللہ کی سنت تھی اور کبھی یہ تبدیل نہیں ہوگی۔

اس نے گہری سانس لی۔

"وہ سلیمان علیہ السلام کی کرسی تھی' جس پہ ایک جسم ڈال دیا گیا تھا۔"

"اوہ اچھا۔" فرشتے نے میز پہ گرے پانی کے قطرے ٹشو سے صاف کیے۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا' فرشتے؟" وہ بہت دکھ سے

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

بولی تھی' اب وقت آگیا تھا کہ وہ چوہے بلی کا کھیل بند کردے۔

"کیا؟" فرشتے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ صرف استفسار تھا۔

"وہ جو اس گھر میں ہوتا رہا' میں وہ سب جاننا چاہتی ہوں؟"

"مثلاً؟" اس نے ابرو اٹھائی' اس کے چہرے پہ وہ ہی نرم سا تاثر تھا۔

"سب کچھ!"

"سب کچھ؟ کس بارے میں؟ میری اور ہمایوں کی شادی کے بارے میں؟" اس کے انداز میں ندامت تھی' نہ پکڑے جانے کا خوف' وہ بہت آرام سے پوچھ رہی تھی۔

"سب کچھ!" اس نے آہستہ سے دہرایا۔

"جب ہمایوں کراچی سے آیا تو اس نے مجھے پرپوز کیا۔ وہ تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتا تھا' مگر طلاق سے قبل وہ مجھ سے شادی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ سو ہم نے ڈیسائیڈ کیا کہ جب تم ہوش میں آجاؤ تو وہ تمہیں ڈائیورس دے دے گا اور ہم شادی کرلیں گے۔"

وہ جیسے موسم کی کوئی خبر سنا رہی تھی۔

"وہ کہتا تھا کہ علما سے فتویٰ لے لیتے ہیں' مگر میرا دل نہیں مانا' میں نے سوچا کہ کچھ وقت اور انتظار کرلیتے ہیں۔ اور پھر تم ہوش میں آگئیں۔ سو اس نے ڈائیورس پیپرز سائن کروالیے۔ مجھے پرپوز کرنے سے قبل ہی وہ تمہیں ڈائیورس دینے کا فیصلہ کرچکا تھا' اگر یہ ضروری نہ ہوتا وہ تب بھی ایسے ہی کرتا' کیونکہ وہ یہ شادی رکھنے کو راضی نہیں تھا۔"

وہ بہت اطمینان اور سکون سے میز سے ٹیک لگائے کھڑی اس کے بارے میں ان کہے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔

"میں نے اس کا پرپوزل اس لیے قبول کرلیا کیونکہ طلاق کے بعد اس کو بھی کسی نہ کسی سے شادی کرنی تھی اور مجھے بھی اور چونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتے اور سمجھتے تھے' سو اس کا پرپوزل میرے لیے بہترین چوائس تھا۔ میں اس کو تمہارے ساتھ تعلق کو قائم رکھنے پہ مجبور نہیں کرسکتی تھی' نہ ہی وہ کسی کی مانتا ہے۔ سو شرعی لحاظ سے میرے پاس پرپوزل قبول کرنے کا حق تھا سو میں نے وہ استعمال کیا۔"

اس کے پاس دلائل تھے' توجیہات تھیں' ٹھوس اور وزنی شرعی سہارے تھے۔ محمل خاموشی سے اس کی ساری باتیں سنتی رہی' وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی تو اس نے لب کھولے۔

"اور جب ہمایوں نے آپ سے میرے اور فواد کے تعلق کی نوعیت اور ان تصاویر کے بارے میں پوچھا تھا' تب آپ نے کیا کہا تھا؟" اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔

"وہ ہی جو سچ تھا۔" وہ اب بھی پرسکون تھی۔ "اس کو معیز نے کچھ تصویریں اور وہ ایگری منٹ لاکر دکھایا تھا جو ہم نے فواد سے طے کیا تھا۔ میں سمجھی تھی کہ تم نے اس کے بارے میں ہمایوں کو بتادیا ہوگا' میں نے اس کے غصے کے ڈر سے خود نہیں بتایا تھا۔ مگر تم نے بھی نہیں بتایا تو اس کا غصہ کرنا لازمی تھا۔ اس نے مجھے بلایا' پھر وہ مجھ پہ چیخا' چلایا' میں چپ کرکے سنتی رہی' اس نے پوچھا کہ یہ ایگری منٹ سچا ہے یا جھوٹا۔ میں نے سچ بولا۔ وہ غصے سے چلاتا رہا' اسے دکھ تھا کہ ہم دونوں نے اس پہ ٹرسٹ نہیں کیا۔ پھر اس نے وہ تصویریں مجھے دکھائیں اور پوچھا کہ وہ سچ ہیں یا جھوٹ؟ میں نے سچ ہی بولا۔"

"کیا بولا؟" محمل نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"یہ ہی کہ مجھے معلوم نہیں اور مجھے واقعی معلوم نہیں تھا۔"

اور وہ اسے دیکھتی رہ گئی' یہ فرشتے کا سچ تھا؟

"پھر اس نے پوچھا کہ معیز جو باتیں اسے بتا گیا ہے وہ سچ ہیں یا جھوٹ؟ وہ اسے یہ بتا کر گیا تھا کہ تمہارا اور فواد کا افیر تھا اس رات فواد نے تمہیں پرپوز کرنا تھا' کوئی رنگ بھی دی تھی غالباً" اور پھر اس نے تمہیں بہانے سے ہمایوں کے گھر بھیج دیا۔ اس رنگ کا ذکر فواد

کی اس فون کال میں بھی تھا جو ہمایوں نے ٹیپ کی تھی۔ یہ بات اس نے پہلے اگنور کردی تھی' پھر ظاہر ہے معیز نے یاد دلایا تو وہ الجھ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سچ بولا۔"

اب کی بار وہ خاموش رہی۔ اس نے نہیں پوچھا کہ فرشتے کا سچ کیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ کیا کہنے جارہی ہے۔

"میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی' نہ ہی تم نے کبھی مجھے اس معاملے میں رازدار بنایا ہے۔ اس نے اس رات کے متعلق پوچھا تو میں نے سچ بتایا کہ فواد تمہیں پرپوز کرنے کے بہانے سے ہی ڈنر پہ لے کر جارہا تھا۔ تم نے مجھے یہ ہی بتایا تھا' سو میں نے یہی اس کو بتا دیا۔"

وہ چپ چاپ یک ٹک سامنے کھڑی مطمئن سی لڑکی کو دیکھتی رہی' جس کے چہرے پہ ملال تک نہ تھا۔

وہ اس کا ایک راز تک نہیں سنبھال سکی تھی۔

وہ سچ کیسے ہوسکتا ہے' جس میں کسی امانت کا خون شامل ہو؟ وہ تو اسے جانتی تھی' وہ اس کی بہن تھی' کیا وہ اس کی پردہ پوشی نہیں کرسکتی تھی؟ فواد نے کبھی نہیں کہا تھا کہ وہ اسے پرپوز کرنے جارہا ہے۔ یہ سب تو اس نے خود اخذ کیا تھا۔ اس سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ وہ سمجھی تھی کہ وقت کی دھول نے اس غلطی کو دبا دیا ہوگا' مگر لڑکیوں کی کچی عمر کی نادانیاں اتنی آسانی سے کہاں دبتی ہیں۔

"اس ٹیپ میں کسی رنگ کا بھی ذکر تھا۔ ہمایوں نے اسے بار بار سنا' وہ مجھ پہ غصہ ہوتا رہا کہ میں نے اسے بے خبر کیوں رکھا' پھر اس نے اپنا ٹرانسفر کراچی کروالیا۔"

وہ اب کھڑکی سے باہر لان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وہاں کراچی میں اسے آرزو ملی۔ اس کے فادر کی ڈیتھ کے بعد کریم چچا اور غفران چچا نے اس کا حصہ بھی دبالیا تھا۔ سو اس نے سوچا کہ ایک تیر سے دو شکار کرتے ہیں۔ اس نے فواد سے تمہارا اور میرا سائن کردہ کاغذ لیا

اور معیز کے ہاتھوں ہمایوں کو بھجوایا۔ فواد' آرزو کو پسند کرنے لگا تھا' وہ اب اس سے شادی کرنا چاہتا تھا' وہ اسے اپنانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ مگر آرزو کو ہمایوں بہتر لگا' سو اس نے چاہا کہ ہمایوں تمہارا حصہ قانونی طور پہ آغا کریم سے واپس لے' اس کا حصہ لینے میں بھی مدد کرے' تاکہ جب وہ ہمایوں سے شادی کرے تو تمہارے حصے پہ بھی وہ قابض ہوسکے جو ہمایوں کی ملکیت میں ہوگا' اور بیچاری' تمہارے بارے میں وہ پریقین تھی کہ تم کبھی نہیں اٹھو گی۔"

بادل ایک دفعہ پھر زور سے گرجے' دور کہیں بجلی چمکی' شام کی نیلاہٹ سارے میں بھر رہی تھی۔

وہ ابھی تک خاموشی سے فرشتے کو سن رہی تھی۔

"مگر ہمایوں کو فواد سے ضد ہوگئی تھی۔ صرف اس لیے کہ فواد آرزو کو پسند کرتا ہے' اس نے آرزو کو اپنے قریب آنے دیا۔ فواد ہمایوں کی منتیں کرتا رہا کہ وہ آرزو کو چھوڑ دے' مگر ہمایوں اس سے اپنے سارے بدلے چکانا چاہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فواد نے اس کی محبت کو اس سے چھینا ہے' وہ بھی اس کی محبت کو ویسے ہی چھینے گا۔ وہ آرزو سے کبھی بھی شادی نہیں کررہا تھا' مگر اس نے آرزو کو دھوکے میں رکھا۔ ابھی مجھے ڈراپ کرکے وہ آرزو کے پاس ہی گیا ہے' اس کو یہ بتانے کہ جیسے وہ اس کو استعمال کررہی تھی' وہ بھی ویسے ہی اسے استعمال کررہا تھا۔ وہ شدت پسند لڑکی ہے' جانے غصے میں کیا کر ڈالے۔ مگر جو بھی ہو' وہ آج اسے آئینہ دکھا کر ہی واپس آئے گا۔"

کھڑکی کے بند شیشے پہ کسی اڑتی چڑیا نے زور کی چونچ ماری' پھر چکرا کر پیچھے کو گری' بادل وقفے وقفے سے گرج رہے تھے۔

"شاید تم یہ سمجھو کہ میں نے تمہارے ساتھ برا کیا ہے یا یہ کہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن تم یہ سوچو کہ میں پھر اور کیا کرتی؟ میں ہمایوں سے بہت محبت کرتی تھی اور کرتی ہوں۔ مگر جب مجھے لگا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو تو میں درمیان سے نکل گئی' لیکن اب وہ تمہیں نہیں چاہتا' اور مجھے بھی کسی نہ کسی

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

سے شادی تو کرنی تھی۔ مجھے بتاؤ میں نے کیا غلط کیا؟ میرے دین نے مجھے پروپوزل سلیکٹ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ سو میں نے اسے استعمال کیا۔ تم کسی بھی مفتی سے پوچھ لو' اگر کوئی عورت' شوہر کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہ رہی ہو تو شوہر دوسری شادی کر سکتا ہے' اور اس میں کسی کی حق تلفی کی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ ہی قطع رحمی کا عنصر شامل ہے' یاد کرو' سورۂ نساء میں ہم نے کیا پڑھا تھا کہ اگر کوئی ایک حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر اپنے حقوق چھوڑ دے' الگ ہو جائے کہ اللہ دونوں کے لیے وسعت پیدا کر دے گا۔"

اپنے مطلب کی آیات اسے آج بھی یاد تھیں۔

"آئی ہوپ کہ اب تمہاری کنفیوژن اور اعتراضات دور ہو گئے ہوں گے۔ میں نے سات سال تمہاری خدمت کی' حالانکہ یہ میرا فرض نہیں تھا' مگر اس لیے کہ تم کبھی یہ نہ سمجھو کہ میں تم سے پیار نہیں کرتی۔ میں آج بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ تم نے ایک دفعہ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ضرورت پڑنے پہ تم میرے لیے اپنا حق چھوڑ دو گی' فواد نے تمہاری گردن پہ پستول رکھا تھا' تمہیں بچانے کے لیے میں نے اپنا حق چھوڑا تھا۔ یہ باتیں میں نے آج کے دن کے لیے سنبھال رکھی تھیں' تاکہ آج میں تم سے تمہارے وعدے کی وفا مانگ سکوں۔"

وہ خاموش ہو گئی' اب وہ محمل کے بولنے کی منتظر تھی۔

محمل چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی' پھر آہستہ سے لب کھولے۔

"آپ نے کہہ لیا جو آپ نے کہنا تھا؟"

"ہاں۔"

"کیا اب آپ میری سنیں گی؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر سنیے' اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔" اس نے تعوذ پڑھا تو فرشتے نے ذرا الجھ کر اسے دیکھا۔ مگر وہ رکی نہیں تھی' بہت دھیمے' مگر مضبوط لہجے میں وہ عربی میں اسے کچھ سنانے لگی تھی۔ وہ عربی جو ان دونوں کی سمجھ میں آتی تھی۔

"اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں... شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔"

فرشتے کی آنکھوں میں الجھا سا تاثر ابھرا۔ محمل بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔

"ان لوگوں کو اس شخص کی خبر پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں۔ جس کو ہم نے اپنی "آیات" دی تھیں۔ پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو اس کے پیچھے شیطان لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔"

فرشتے کی بھوری آنکھوں میں بے چینی ابھری تھی۔ "محمل! میری بات سنو۔"

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ پتلیوں کو حرکت دیے بنا نگاہیں اس پہ مرکوز کیے کہتی جا رہی تھی۔

"تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ "اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان ہی آیات کے ساتھ بلندی عطا کرتے' لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔"

"محمل چپ کرو۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی' مگر محمل کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔

"لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ تو اس کی مثال کتے جیسی ہے۔ تو اس کی مثال کتے جیسی ہے۔"

"اگر تم اس پہ حملہ کرو تو وہ زبان باہر نکالتا ہے' یا تم اس کو چھوڑ دو تو بھی وہ زبان باہر نکالتا ہے۔"

"خاموش ہو جاؤ! خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ!" اس نے تڑپ کر محمل کے منہ پہ ہاتھ رکھنا چاہا' اس کا دوپٹہ کندھوں سے پھسل گیا تھا' کھلے بال شانوں پہ آگرے تھے۔

محمل نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ اسی میکانکی انداز میں اسے دیکھتی پڑھتی جا رہی تھی۔

"جسے اللہ ہدایت بخشے' پس وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے' بس وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔"

اس کے ہاتھ بے دم ہو کر اپنی گود میں آگرے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں گری تھی۔

"بے شک ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنوں میں سے اور بہت سے انسانوں میں سے پیدا کیے ہیں۔ ان کے لیے دل ہیں۔ وہ ان سے کچھ نہیں بھی سمجھتے اور ان کے لیے آنکھیں ہیں' وہ ان سے کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ اور ان کے لیے کان ہیں۔ وہ ان سے کچھ بھی نہیں سنتے۔ یہی لوگ مویشیوں کی طرح ہیں' بلکہ یہ تو زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔ جو غافل ہیں' جو غافل ہیں۔" وہ کسی معمول کی طرح بار بار وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

فرشتے سفید چہرہ لیے بے دم سی بیٹھی تھی۔ اس کے لب ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔ محمل نے آہستہ سے پلک جھپکی تو دو آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گرے۔

"اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں!"

اس نے وہیل چیئر کے پہیوں کو دونوں اطراف سے تھاما اور اس کا رخ کھڑکی کی طرف موڑا' وہ آہستہ آہستہ وہیل چیئر کھڑکی کی طرف بڑھانے لگی۔

فرشتے پیچھے بیٹھی رہ گئی تھی۔ محمل نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ وہ ابھی پلٹنا نہیں چاہتی تھی۔

"اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔۔!" وہ کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے زیر لب بڑبڑائی تھی۔

فرشتے سے مزید کچھ سنا نہیں گیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور منہ پہ ہاتھ رکھے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

محمل اسی طرح نم آنکھوں سے باہر چمکتی بجلی کو دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ تب بھی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی جب ہمایوں کی گاڑی اندر آئی۔ اور تب بھی' جب رات ہر سو چھا گئی۔ اس کی اس گھر میں آخری رات... اور وہ اسے سکون سے گزارنا چاہتی تھی۔ تب اس نے بلقیس کو بلوایا جس نے اسے بستر پہ لیٹنے میں مدد دی۔ پھر وہ آنکھوں پہ بازو رکھے' کب گہری نیند میں چلی گئی۔ اسے پتہ ہی نہ چلا۔

اس کے ذہن میں اندھیرا تھا' گھپ اندھیرا جب اس نے وہ آواز سنی۔ تاریکی کو چیرتی' مدھری آواز۔ اپنی جانب کھینچتی آواز۔

محمل نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔ کھڑکی کے آگے پردے ہٹے تھے۔ وہ رات سونے کے وقت شیشے کے پٹ کھول کر رکھتی تھی تاکہ جالی سے ہوا اندر آئے۔ وہیں باہر سے کوئی آواز آ رہی تھی۔

اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ ہاتھ مارا' اور بٹن دبایا۔ ٹیبل لیمپ فوراً" جل اٹھا۔ روشنی سامنے دیوار گیر گھڑی پہ پڑی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ مدھم سی' دکھ بھری آواز ابھی تک آ رہی تھی۔

اس نے رک کر سننا چاہا۔ لفظ کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔

"اللھم جعل فی قلبی نورا"

(اے اللہ' میرے دل میں نور ڈال دے)

محمل نے بے اختیار سائیڈ ٹیبل پہ رکھی بیل پہ ہاتھ مارا۔

"وفی بصری نورا"

(اور میری بصیرت میں نور ہو)

بلقیس تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ محمل کی وجہ سے وہ کچن میں ہی سوتی تھی۔

"جی بی بی؟"

"مجھے بٹھا دو' بلقیس!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں وہیل چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ بلقیس سر ہلا کر آگے بڑھی' تب ہی کھڑکی کے اس پار سے آواز آئی۔

"وفی سمعی نورا"

(اور میری سماعت میں نور ہو)

Scan & PDF FIAZ AHMED FriendsKorner.com

بلقیس چونک کر کھڑکی کو دیکھنے لگی' پھر سر جھٹک کر اس کی طرف آئی۔

"وعن یمینی نورا" وعن یساری نورا""

(اور میرے دائیں جانب اور بائیں جانب نور ہو)

بہت احتیاط سے بلقیس نے اسے وہیل چیئر پہ بٹھا دیا۔

"اب تم جاؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔ بلقیس سر ہلاتی متذبذب سی واپس پلٹی۔

"وفوقی نورا" و تحتی نورا"

(اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو)

مدھم چاندنی کی چاشنی میں ڈوبی آواز ہر شے پہ چھا رہی تھی۔ محمل نے وہیل چیئر کا رخ باہر کی جانب موڑا۔

"وامامی نورا" و خلفی نورا" (اور میرے آگے پیچھے نور ہو) آواز میں اب آنسو گرنے لگے تھے۔

وہ وہیل چیئر کو بمشکل گھسیٹتی باہر لائی۔

"واجعل لی نورا")

(اور میرے لیے نور بنا دے)

چاندنی میں ڈوبا برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ وہ مترنم' غم زدہ آواز لان سے آ رہی تھی۔

"وفی لسانی نورا" و عصبی نورا"" (اور میری زبان اور اعصاب میں نور ہو)

اس نے سوز میں پڑھتے ذرا سی ہچکی لی۔

محمل آہستہ آہستہ برآمدے کی آرام دہ ڈھلان سے نیچے وہیل چیئر کو اتارنے لگی۔ یہ ڈھلان فرشتے نے ہی اس کے لیے لگوائی تھی۔

"ولحمی نورا" ودمی نورا""

(اور میرے گوشت اور لہو میں نور ہو)

لان کے آخری سرے پہ دیوار سے ٹیک لگائے ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کا سر نڈھال سا دیوار سے ٹکا تھا۔ آنکھیں بند تھیں جن سے قطرہ قطرہ آنسو ٹوٹ کر رخسار پہ گر رہے تھے۔ لمبے بھورے بال شانوں پہ پڑے تھے۔

"وشعری نورا" وبشری نورا" (اور میرے بال و کھال میں نور ہو)

محمل وہیل چیئر کو گھاس پہ آگے بڑھانے لگی۔ گھاس کے تنکے پہیوں کے نیچے چرمرانے لگے تھے۔

"واجعل لی نفسی نورا" و اعظم لی نورا"" (اور میرے نفس میں نور ہو اور میرے لیے نور کو بڑھا دے)

وہ اسی طرح آنسو بہاتی بند آنکھوں سے' بے خبر سی پڑھتی جا رہی تھی۔

محمل وہیل چیئر اس کے بالکل سامنے لے آئی۔

اللھم اعطنی نورا"

(اے اللہ' مجھے نور عطا کر دے!)

چاندنی میں اس کے آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"فرشتے!" اس نے ہولے سے پکارا۔

فرشتے کی آنکھوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے پلکیں جدا کیں اور محمل کو دیکھا۔ وہ شاید بہت روئی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم' سرخ تھیں۔

"کیوں رو رہی ہیں؟" اس کے اپنے آنسو گرنے لگے تھے۔ یہ وہ لڑکی تھی جس نے اسے قرآن سنایا تھا' قرآن پڑھایا تھا۔ اس کی جان ان لوگوں سے چھڑائی تھی سات سال اس کی خدمت کی تھی۔ بہت احسان تھے اس کے محمل پہ۔ اور آج اس نے اسے رلا دیا!

"مجھے رونا ہی تو چاہیے" وہ سر اٹھا کر چاند کو دیکھنے لگی" میں نے بہت زیادتی کی ہے محمل' بہت زیادتی۔"

وہ خاموشی سے اس کو سنے گئی۔ شاید ابھی فرشتے نے بہت کچھ کہنا تھا' وہ سب جو وہ پہلے نہیں کہہ سکی۔

"میں نے سات سال تو جیہات جوڑیں' دلیلیں اکٹھی کیں' اور تم نے سات آیتوں میں انہیں ریت کا ڈھیر بنا دیا۔ میں نے خود کو بہت سمجھایا تھا۔ بہت یقین دلایا تھا کہ یہی صحیح ہے مگر آج میرا یقین ٹوٹ گیا ہے۔ محمل میں خود غرض ہو گئی تھی' کتے کی طرح خود غرض' جو ہڈی نہ ڈالنے پہ بھی زبان نکالتا ہے۔"

اس کی اوپر چاند کو تکتی آنکھوں سے قطرے گر رہے تھے۔

"کبھی تم نے میری چاندی کی وہ انگوٹھی دیکھی ہے محمل؟ تم نے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کس نے دی تھی؟ جانتی ہو' وہ مجھے میری خالہ نے دی تھی۔ وہ انہوں نے اپنی بہو کے لیے رکھی تھی' اور اپنی وفات سے قبل وہ بہت بیمار تھیں' انہوں نے وہ مجھے پہنا دی۔ میری امی ان کا مطلب سمجھتی تھیں' مگر خاموش رہیں۔ وہ وقت آنے پہ ہمایوں سے بات کرنا چاہتی تھیں' مگر وقت نہیں آیا۔ آ ہی نہیں سکا۔ امی فوت ہوئیں تو میں چپ چاپ مجد چلی گئی۔ میں برسوں انتظار کرتی رہی کہ ہمایوں کبھی تو اس انگوٹھی کے بارے میں پوچھے گا' مگر اس نے نہیں پوچھا۔ پھر میں نے صبر کر لیا' مگر انتظار تو مجھے تھا نا۔ میں نے بچپن سے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام سنا تھا' مجھے اس پہ اپنا ہی حق لگتا تھا۔ اور جب ایک روز ہمایوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے' تو میں نے اس کو خالہ کی خواہش کے بارے میں بتانے کا سوچا۔

اس رات میں بہت دیر تک مجد کی چھت پہ بیٹھی رہی تھی' اور جب میں فیصلہ نہ کر پائی تو دعائے نور پڑھنے لگی۔ تمہیں پتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کا ایک حصہ سجدے میں پڑھا کرتے تھے؟ اور یہ دعا قرآن سمجھنے میں مدد دیتی ہے میں جب بھی فیصلہ نہ کر پاتی' اس دعا کو پڑھتی۔ اس رات بھی میں پڑھ کر ہٹی ہی تھی کہ تم ہماری چھت پہ آئیں' اور پھر تم ہماری زندگی میں بھی آ گئیں۔

میں نے آج تک تمہارے لیے جو بھی کیا ہے' وہ اللہ کے لیے کیا تھا۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ میں نے کیا کیا تھا' پھر جب میں نے ہمایوں کو تمہارے لیے مسکراتے دیکھا اور اس کے لیے تمہاری آنکھوں کو چمکتے دیکھا تو میں نے سوچا کہ تمہیں آگاہ کر دوں' اور تمہیں یاد ہے جب ہسپتال میں تم ہمایوں کو دیکھنے آئی تھیں' تو میں تمہیں بتانے ہی والی تھی۔ مگر تم نے نہیں سنا' تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں گی۔ قربانی دے دوں گی۔ تب میرا جینا' اور میرا مرنا' اور میری نماز اور میری قربانی صرف اللہ کے لیے تھی۔ میں نے ہر چیز بہت خلوص دل سے کی۔ خود تمہاری شادی کروائی اور اپنے تئیں میں مطمئن تھی۔ لیکن۔

جب تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا اور میں پاکستان واپس آئی تو مجھے پہلی دفعہ لگا کہ شاید تم زندہ نہ رہ سکو' اور ہمایوں میرا نصیب۔ اور اس سے آگے سوچنے سے بھی میں ڈرنے لگی تھی۔ سو واپس چلی گئی۔ مگر ہمایوں جب بھی کال کرتا اور تمہاری مایوس کن حالت کی خبر دیتا تو مجھے لگتا شاید یہی تقدیر ہے۔ شاید تم ہمیں چھوڑ جاؤ' تب ہمایوں میرے پاس واپس آ جائے۔ مجھے لگا میری قربانی قبول ہو گئی ہے۔ اس کا انعام مجھے دیا جانے لگا ہے۔ مجھے بھول گیا کہ وہ قربانی تو اللہ کے لیے تھی' اللہ کو پانے کے لیے تھی' دنیا کے لیے یا ہمایوں کے لیے تو نہیں تھی۔ مگر تمہاری طرف سے ہم اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ آہستہ آہستہ مجھے سب بھولتا گیا۔ میں ہر نماز میں' ہر روز تلاوت کے بعد ہمایوں کو خدا سے مانگنے لگی۔ میں آہستہ آہستہ زمین کی طرف جھکنے لگی تو میرے ساتھ شیطان لگ گیا۔"

اس کی اٹھی لمبی گردن پہ آنکھوں سے نکلتے آنسو پھسل رہے تھے۔ اس کی نگاہیں ابھی بھی اوپر چاند پہ ٹکی تھیں۔ شاید وہ ابھی محمل کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"جب میں دوبارہ واپس آئی تو اپنی "زمین" کی طرف جھکی ہوئی آئی' اس امید پہ تمہاری خدمت کرنے آئی کہ شاید یہی دیکھ کر ہمایوں کا دل میری طرف کھنچ جائے۔ میری اس انتھک خدمت میں ریا شامل ہو گئی۔ مجھے اس وقت سے ڈر نہیں لگا جب میں حشر کے بڑے دن اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال نامے میں ان بڑی بڑی نیکیوں پہ کانٹا لگے دیکھوں گی کہ یہ تو ریا کے باعث ضائع ہو گئیں' قبول ہی نہیں کی گئیں۔ مجھے ڈر نہیں لگا۔ میں ریا کاری کرتی گئی مگر یقین کرو' قرآن مجھ سے نہیں چھوٹا۔ میں تب بھی روز اسے پڑھتی تھی مگر میرا جینا مرنا نماز اور قربانی ہمایوں کے لیے ہو گئی۔"

یکدم بادل زور سے گرجے اور اگلے ہی لمحے بارش

Scan & PDF RIAZ AHMED Friends Korner.com

کے ٹپ ٹپ قطرے گرنے لگے مگر وہ دونوں بے خبر بیٹھی تھیں۔

"پھر ایک دن معیز چلا آیا' اسے آرزو نے بھیجا تھا۔ وہ ان گزرے سالوں میں کئی دفعہ ہمایوں سے رابطے کی کوشش کرچکی تھی مگر اس نے جب توجہ نہ دی تو اس نے معیز کو بھیجا۔ اس کے پاس تصویریں تھیں اور وہ کاغذ۔ ہمایوں نے مجھ سے پوچھا تو کاغذ کی بابت میں نے سچ بولا' مگر جب اس نے تصویریں میرے سامنے پھینکیں تو میں خاموش ہوگئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جعلی ہیں' مگر ٹیکنیکلی — میں نہیں جانتی تھی کہ وہ سچ ہیں یا نہیں۔

میرے پاس کوئی ثبوت نہ تھا مگر میرا دل... بار بار کوئی میرے اندر وہ آیت دہرا رہا تھا کہ

"کیوں نہیں تم نے کہا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے۔"

وہ آیت بھی ایک ایسی محترم ہستی کے لیے نازل ہوئی تھی جس کے اوپر لگے بہتان کی حقیقت سے مومنین بے خبر تھے' پھر بھی اللہ نے ان کو سرزنش کی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کردار کی کتنی سچی ہے' تم نے اس کی حمایت نہیں کی؟

میں ہمایوں کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ میرے اوپر چلا رہا تھا اور مسلسل کوئی میرے اندر کہہ رہا تھا کہ "ھٰذا افک مبین" (یہ بہتان ہے کھلم کھلا) میں نے سر اٹھایا' ایک نظر ہمایوں کو دیکھا' وہ ہمایوں جس سے میں نے بہت محبت کی تھی اور پھر میں نے کہہ دیا کہ میں اس بارے میں لاعلم ہوں۔

تب ایک دم میرے اندر باہر خاموشی چھا گئی۔ وہ آواز آنا بند ہوگئی۔ تب ہمایوں نے معلوم نہیں کہاں سے وہ ٹیپ نکالی اور مجھے سنوائی۔ اس میں کسی انگوٹھی کا تذکرہ تھا۔ اس نے معیز کی کہی بات دہرائی کہ کیا اس روز فواد تمہیں پروپوز کرنے کا جھانسہ دے کر باہر لے کر گیا تھا؟ تب پھر سے کسی نے میرے اندر کہا۔

"اللہ خیانت کار کی چال کی راہنمائی نہیں کرتا۔"

مگر اب وہ آواز کمزور پڑچکی تھی۔ مجھے امانت کے سارے سبق بھول گئے۔ میں نے اسے وہ بتادیا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔ تب وہ مجھ پہ بہت چیخا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بہن کو بچانے کے لیے اس کے سر تھوپ دیا ہے۔ اس نے بہت مشکل سے دل بڑا کرکے اس بات کو نظر انداز کیا تھا کہ تم کس طرح پہلی دفعہ اس کے گھر لائی گئی تھیں۔ مگر یہ بات کہ فواد کا اور تمہارا کوئی افیئر تھا۔ اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ میرے ایک فقرے نے ہر چیز پہ تصدیق کی مہر لگادی۔ وہ مجھ پہ کبھی ایسے نہیں برسا تھا۔ جیسے اس رات برسا تھا۔ میں ساری رات روتی رہی۔ نامعلوم غم کس بات کا زیادہ تھا۔ خیانت کا' یا ہمایوں کے رویے کا۔ میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر ہمایوں نے اگلی صبح مجھ سے ایکسکیوز کرلیا۔ میں چپ چاپ سنتی رہی۔ تب آخری دفعہ میرے دل سے آواز آئی کہ اس کو بتادو کہ تم نے جھوٹ بولا تھا۔

مگر میں چپ رہی۔ میں نے خواہشات کی پیروی میں چلنا شروع کردیا۔ اور میں بھٹک گئی۔ وہ کراچی چلا گیا اور میں کئی دن تک تمہیں دیکھنے ہسپتال نہیں جاسکی پھر میں مسجد بھی نہیں جاسکی۔ جس دن میں نے خیانت کی' محمل اس دن سے آج کے دن تک تین ساڑھے تین سال ہونے کو آئے ہیں' میں قرآن نہیں کھول پائی۔ ہاں نمازیں میری آج بھی ویسی ہی لمبی ہیں' میں سجدوں' میں گر کر ہمایوں کو اب بھی مانگتی ہوں' مگر قرآن پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔

بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ فرشتے کے بھورے بال بھیگ چکے تھے۔ موٹی موٹی گیلی لٹیں' چہرے کے اطراف میں چپک گئی تھیں۔ وہ ابھی تک اوپر چاند کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ کراچی سے آیا تو بدل گیا تھا۔ پھر ایک روز اس نے مجھے پروپوز کیا۔ اچانک بالکل اچانک سے اور مجھے لگا میری ساری قربانیاں مستجاب ہوگئی ہیں۔ پھر مڑ کر پیچھے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ تم سے بہت بدظن ہوچکا تھا۔ مگر میں نے اسے مجبور کیا کہ ہم وہ تمہارا علاج کروانا نہ چھوڑے۔"

موسلا دھار بارش میں بار بار بجلی چمکتی تو پل بھر کو

سارا لان روشن ہوجاتا۔

"فواد نے کئی دفعہ فون کرکے تمہارا پوچھنا چاہا' میں نے اسے کبھی کچھ نہیں بتایا' بس اس کی بات سن کر کچھ کہے بنا ہی بند کردیتی۔ وہ بہت بدل گیا ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ اگر اک دفعہ اسے اس سارے کھیل کا علم ہوگیا تو وہ ہمایوں کے پاس آکر اسے سب بتادے گا۔ مشکل ہی تھا کہ ہمایوں اس کا یقین کرے مگر اس ڈر سے میں نے اسے کبھی کچھ پتا نہیں لگنے دیا۔"

"مجھے ہمایوں نہیں چاہیے فرشتے!" وہ روتے ہوئے بولی تھی "مجھے اپنی بہن چاہیے!"

"مجھے بھی ہمایوں نہیں چاہیے۔ مجھے بھی اپنی بہن ہی چاہیے!" اس نے بھیگی آنکھوں کا رخ پہلی دفعہ محمل کے چہرے کی طرف کیا۔ محمل نے اس کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ پکڑ لیے۔ ان میں آج چاندی کی وہ انگوٹھی نہیں تھی۔

بارش زور سے ان دونوں پہ برس رہی تھی۔

"میں نے فواد کو فون کردیا ہے۔ وہ پہنچنے والا ہوگا۔ وہ خاصا سمجھ دار بندہ ہے ایسے ثبوت لائے گا کہ ہمایوں اسے جھٹلا نہ سکے گا۔ وہ ابھی آکر ہمایوں کو سب کچھ بتادے گا' ابھی کل دوپہر میں خاصا وقت ہے۔ تمہاری عدت ختم نہیں ہوئی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ حقیقت جان کر رہ نہیں سکے گا۔ اور تمہیں واپس اپنائے گا۔ آؤ۔ اندر چلتے ہیں۔" فرشتے نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے' اٹھی اور پھر وہیل چیئر کی پشت تھام لی۔

"بس مجھ پہ ایک احسان کرنا۔ ہمایوں کو مت بتانا کہ میں نے خیانت کی۔ میں اس کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی۔ بظاہر میں نے جھوٹ نہیں بولا مگر مجھے تمہارا راز نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی' میں فواد کے سامنے تمہاری تائید کروں گی' مگر تم۔ تم میری عزت رکھ لینا۔ وہ جانتا ہے۔ کہ فرشتے جھوٹ نہیں بولتی' خیانت نہیں کرتی۔ اس نے ان تصویروں پہ نہیں' مجھ پہ یقین کرکے تمہیں طلاق دی تھی۔ تم میری عزت رکھ لینا۔"

وہ اس کی وہیل چیئر دھکیلتی آہستہ آہستہ بے خود سی کہہ رہی تھی۔ محمل نے سر جھکا لیا۔ وہ فرشتے کو نہیں بتا سکی کہ آج وہ پھر زمین کی طرف جھک رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں ہے۔

"تم ہمایوں کو واپس لے لو محمل۔ وہ تمہارا ہے' اسے تمہارا ہی رہنا چاہیے۔" وہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں اسی طرح نیم اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے۔ ٹیبل لیمپ ابھی تک جل رہا تھا۔ وہ خود کو گھسیٹتی آگے بڑھی اور لیمپ کا بٹن بجھایا۔ ایک دم کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔ بس کھڑکی کے پار بارش کے قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ وہیں کھڑکی کے سامنے بیٹھی برستی بارش کو دیکھے گئی۔

"انسان جس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے' اللہ اسے اسی کے ہاتھوں سے توڑتا ہے' انسان کو اس ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہونا چاہیے' جس سے لوگوں کی محبت آئے اور باہر نکل جائے۔"

اللہ نے اسے ان ہی لوگوں کے ہاتھوں توڑا تھا جن سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتی تھی۔ ہمایوں' فرشتے اور تیمور!

تب ہی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔

وہ گاڑی بار بار ہارن بجا رہی تھی۔ تب اس نے برستی بارش میں ہمایوں کو گیٹ کی طرف جاتے دیکھا۔

اس نے گیٹ کھولا تو ایک گاڑی زن سے اندر داخل ہوئی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ تیزی سے باہر نکلا تھا' وہ فواد ہی تھا' وہ پہچان گئی تھی۔

وہ ویسا ہی تھا' بس آنکھوں پہ فریم لیس گلاسز تھے اور بالوں کا کٹ زیادہ چھوٹا تھا۔

کیا ہمایوں اس کی بات سن لے گا؟ کبھی بھی نہیں!

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"تب ہی فواد نے لپک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور کسی کو بازو سے کھینچ کر باہر نکالا۔ محمل دھک سے رہ گئی۔ وہ معیز تھا۔

پتلا لمبا' نوجوان جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ فواد اس کو پکڑ کر ہمایوں کے سامنے لایا جو قدرے چونکا ہوا کھڑا تھا۔

برستی بارش کا شور بہت تیز تھا۔ ان کی باتوں کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ تینوں بارش میں بھیگتے کھڑے تھے۔ فواد زور زور سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ہمایوں سینے پہ ہاتھ باندھے صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کی محمل کی طرف پشت تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اور تب اس نے معیز کو ہاتھ جوڑے دیکھا۔ شاید اس کے چہرے پہ بارش کے قطرے تھے' یا شاید وہ رو رہا تھا۔ روتے ہوئے' وہ کچھ کہتے ہوئے وہ ہمایوں سے معافی مانگ رہا تھا۔ اور تب اس نے فرشتے کو باہر آتے دیکھا۔ وہ بھی کچھ کہہ رہی تھی۔

محمل نے ہاتھ بڑھا کر پردہ برابر کر دیا۔ وہ اس منظر کو اب مزید نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

کتنی ہی دیر بعد اس نے فرشتے کی آواز سنی' وہ فواد اور معیز کو ادھر لا رہی تھی۔

اس کے کمرے کا دروازہ کھلا' محمل کی اس طرف پشت تھی۔

"محمل..." فواد کی بھرائی ہوئی آواز اسے سنائی دی۔ "معیز نے ہمایوں کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا تو۔ محمل ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی۔"

"آپا! ہمیں معاف کر دو!" وہ معیز تھا' وہ رو رہا تھا۔ "اماں اور آرزو آپا نے مجھے یہ سب کرنے کو کہا تھا۔ آپا! اماں بہت بیمار ہیں۔ وہ اب پہلے جیسی نہیں ہیں۔ وہ سارا دن چیختی چلاتی ہیں۔ آپا... ہمیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور کوئی دھیمے سے اس کے اندر بولا تھا۔

"پس تم یتیم کے ساتھ سختی نہ کرنا۔"

"آپا! آرزو آپا نے خود کشی کر لی ہے۔ آج ہمایوں بھائی نے ان کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ اماں سنبھل نہیں پا رہیں۔ ہمیں بددعا مت دینا آپا۔"

"جاؤ معیز! میں نے تمہیں معاف کیا۔ سب کچھ معاف کیا۔"

وہ کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"آپا دعا کرو آرزو آپا بچ جائیں۔ ان کے لیے بددعا مت کرنا۔"

"میں دعا کروں گی' تم جاؤ معیز' ان کا خیال رکھنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے' بلکہ تم نے تو مجھے انسانوں کی محبت اور وفا کی حقیقت دکھائی ہے۔ تمہارا شکریہ معیز۔ تم جاؤ۔"

اور وہ ویسے ہی اُلٹے قدموں پلٹ گیا۔

"کیا تم ہمیں معاف کر سکتی ہو محمل؟" وہ شکست خوردہ ٹوٹا ہوا شخص آغا فواد ہی تھا۔

"میں نے معاف کیا' سب معاف کیا۔" وہ اب بھی پیچھے نہیں مڑی تھی۔

"آغا جان کو آدھے جسم کا فالج ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ ممی ان کے غم کی وجہ سے نہ زندوں میں رہی ہیں' نہ مُردوں میں۔ سدرہ کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور اس کے وہ خاندانی سسرال والے اس کو میکے نہیں آنے دیتے۔ وہ اور اس کے یتیم بچے اپنے گھر میں اس سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں جو تم نے اور مسرت چچی نے گزاری تھی۔ مہرین کو......"

"مجھے کچھ مت بتائیں فواد بھائی۔ پلیز' میں نے معاف کیا۔ سب معاف کیا۔ مجھے یہ سب بتا کر اور دکھ نہ دیں۔ ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" اس کے نرم لہجے میں منت تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اور یہ۔ تمہارا حصہ ہے ان تمام سالوں کے منافع سمیت۔ فرشتے کا حصہ میں اسے ادا کر چکا ہوں۔ ہو سکے تو ہمارے لیے دعا کرنا۔" وہ ایک فائل اور ایک مہر بند لفافہ اس کے بیڈ کی پائینتی پہ رکھ کر واپس مڑ گیا تھا۔

محمل نے گردن پھیر کر دیکھا۔ وہ سر جھکائے' نادم و شکستہ حال جا رہا تھا۔

وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ آغا فواد کا کیا انجام ہوا؟ مگر یہ دنیا انجام کی جگہ تھوڑی ہے؟ یہ تو امتحان کی جگہ ہے' اپنے گناہ نظر آنا بھی ایک امتحان ہے۔ اصل فیصلہ تو روز حساب ہی ہو گا۔

اس کے بیڈ کی پائینتی پر چند کاغذ رکھے تھے۔ وہ کاغذ جو کبھی اس کی زندگی کا محور تھے مگر آج اس نے ان پہ دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔ ان ہی کاغذوں کے لیے اس نے فواد کا جھانسہ قبول کیا تھا' آج فواد نے اسے خود لا دیے تھے مگر کتنی بھاری قیمت تھی اس غلطی کی جو اسے چکانی پڑی تھی۔

کچی عمر کے کچے سودے......

بارش دھیمی ہو چکی تھی۔ کھڑکی کی جالیاں گیلی ہو چکی تھیں۔ ان سے مٹی کی سوندھی خوشبو اندر آ رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ وہیں بیٹھی خوشبو سونگھتی رہی۔ اسے لاشعوری طور پہ اس کا انتظار تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ اس کے کمرے میں ضرور آئے گا۔

کافی لمحے بیت گئے تو اس نے چوکھٹ پر آہٹ سنی۔ وہ آہستہ سے مڑی۔

ہمایوں تھکا ہارا سا دروازے میں کھڑا تھا۔ یہ وہ دروازہ تھا جو اس نے محمل کی موجودگی میں کبھی پار نہیں کیا تھا۔ یہ وہ چوکھٹ تھی جس پہ وہ کبھی سوالی بن کر نہیں آیا تھا۔ مگر آج وہ آیا تھا۔

اس کے تھکے تھکے ٹوٹے قدم آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئے تھے۔

"محمل!" ٹوٹی ہوئی آواز میں اس نے پکارا تھا۔ اور پھر وہ پورے قد سے' گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں آن گرا تھا۔

"مجھے معاف کر دو محمل!" اس کی آنکھیں سرخ تھیں' اور چہرے پہ صدیوں کی تھکان تھی۔

"مجھے معاف کر دو۔ میں بہت دور چلا گیا تھا۔"

اس نے تاسف سے ہمایوں کو دیکھا۔ پہلے بھی وہ سب اس سے اس کا سب کچھ چھین کر لے گئے تھے۔ آج بھی وہ مانگ ہی رہے تھے' مانگنے ہی آئے تھے۔

ہر ایک کو اپنے ضمیر کے بوجھ سے نجات چاہیے تھی۔ محمل ابراہیم تو کہیں بھی نہیں تھی!

"میں نے صرف فرشتے کی بات پر... اور آج وہ کہہ رہی ہے کہ تم نے اس سے صرف ایک مسئلہ پوچھا تھا' اس نے خود غلط اخذ کیا۔ میں نے صرف فرشتے کی وجہ سے۔"

"کیا آپ نے پہلے زندگی کے سارے فیصلے فرشتے کے دماغ سے کیے تھے ایس پی صاحب؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ "آپ چھوٹے بچے تھے جو یہ نہیں جانتے تھے کہ میرے رشتے دار میرے کھلے دشمن ہیں؟ آپ ان پڑھ جاہل تھے جو یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایسی تصویریں تو ہر گلی محلے میں بن جاتی ہیں۔"

"محمل یقین کرو میں۔"

"ایک منٹ ایس پی صاحب! میں نے کئی مہینے صرف آپ کی سنی ہے۔ آج آپ میری سنیں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ نے فرشتے کے کہے پہ یقین کر لیا؟ آج میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ آپ نے فرشتے سے پوچھا ہی کیوں؟ آپ میری طرف سے اتنے بدگمان تھے کہ آپ کو دوسروں سے پوچھنا پڑا؟ کیوں نہیں آپ نے وہ تصاویر معیز کے منہ پہ دے ماریں؟ کیا آپ بہت قابل پولیس آفیسر نہیں تھے؟ کیا آپ کو کھرا اور کھوٹا الگ کرنا نہیں آتا تھا؟ کیا آپ آرزو کی خصلت کو نہیں جانتے تھے؟ یا شاید آپ کی دلچسپی ایک بیمار' بے ہوش عورت میں ختم ہو گئی تھی۔ شاید آپ کو میری خدمت سے دور بھاگنے کا ایک موقع چاہیے تھا۔ آپ آزاد ہونا چاہتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیتے۔ ایک بار تو پوچھتے کہ کیا تم نے ایسا کیا ہے؟ مگر آپ خود بھی مجھ سے تھک گئے تھے۔ آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا ہمایوں کہ اگر میری جگہ آپ یوں بیمار ہوتے اور میں آپ کے ساتھ یہی کرتی تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ تب ہی کھلے دروازے سے تیمور بھاگتا ہوا اندر آیا۔ شور سن کر وہ نیند سے جاگا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس آیا اور اس

Scan & PDF FIAZ AHMED friendskorner.com

کے گھٹنوں سے لپٹ گیا۔ مگر ہمایوں اور محمل اس کو نہیں دیکھ رہے تھے۔

"محمل، مجھے معاف کردو۔ میں رجوع کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔" ہمایوں نے اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر محمل ایک دم پیچھے کو ہوئی۔

"لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتی۔ ٹوٹے دھاگے کو دوبارہ جوڑا جائے تو اس میں ایک گرہ رہ جاتی ہے۔ ہمارے درمیان بھی وہ گرہ رہ گئی ہے، سو اس دھاگے کو ٹوٹا رہنے دیں۔"

"محمل!" وہ بے یقین تھا۔ معافی کے لیے جڑے اس کے ہاتھ نیچے گر گئے۔ محمل نے گہری سانس لی۔

"میں نے آپ کو معاف کردیا ہے ہمایوں! دل سے معاف کردیا ہے۔ مگر اب رجوع کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ فرشتے سے شادی کرلیں۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ درمیان میں، میں آگئی تھی۔"

"مگر محمل... تم..." وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر آج وہ نہیں سن رہی تھی۔

"مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ہمایوں۔ میرا بیٹا میرے پاس ہے، فواد نے مجھے میرا حصہ بھی دلا دیا ہے۔ میں لوگوں کی محتاج نہیں رہی، آپ فرشتے سے شادی کرلیں۔ وہ آپ کا انتظار کررہی ہے۔"

اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ہمایوں نے گردن موڑ کر دیکھا۔

فرشتے وہاں کھڑی رو رہی تھی۔ ہمایوں کو گردن موڑتے دیکھ کر، وہ منہ پہ ہاتھ رکھے باہر کو بھاگی تھی۔

"آپ اس کا اور امتحان نہ لیں۔ اس سے شادی کرلیں۔ میں اور تیمور ایک دوسرے کو بہت ہیں۔ ہمارا تیسرا اللہ ہے۔ آپ ہمیں جانے دیں۔ اب ہمارا ساتھ ناممکن ہے۔"

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے تمہاری قدر نہیں کی، محمل!" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھا، اور شکستہ قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"دروازہ بند کرجائیے گا۔"

اس کے الفاظ پہ وہ ذرا دیر کو رکا، مگر پلٹا نہیں۔ اب شاید وہ پلٹنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔

بہت آہستہ سے وہ باہر نکلا اور کمرے کا دروازہ بند کیا۔

وہ محمل کی زندگی سے جاچکا تھا۔

دو آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹے اور گردن پہ لڑھک گئے۔

فرشتے کہتی تھی کہ اس نے سنا نہیں جب وہ برسوں پہلے اس ہسپتال میں "کچھ" بتانا چاہتی تھی۔ حالانکہ وہ منظر تو اسے آج بھی یاد تھا۔ وہ جو نرس کے پکارنے پہ اٹھی تھی، فرشتے کی ادھوری بات سن کر ہی اٹھی تھی۔ وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ فرشتے ہمایوں کو پسند کرتی ہے۔ مگر جب فرشتے نے خود اپنے رویے سے یقین دلایا تو وہ بھی بظاہر خود کو مطمئن کرنے لگی کہ بھلا فرشتے ایسے جذبات کیوں رکھے گی، مگر دور اندر وہ ہمیشہ سے جانتی تھی۔ اگر آرزو کو درمیان میں نہ دیکھا ہوتا تو وہ کبھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتی کہ ہمایوں کس سے شادی کررہا ہے۔ ہاں، وہ جانتی تھی کہ فرشتے کیوں ان کی شادی کے بعد باہر چلی گئی تھی۔

وہ سب جانتی تھی۔ یہ بھی کہ اب وہ معذور ہوگئی تھی۔ ایک بے کشش عورت بن گئی تھی۔ ہمایوں نادم ہوکر پلٹا تو تھا۔ مگر تھا تو مرد ہی۔ کب تک اس سے بندھا رہتا؟ جو کانوں کا اتنا کچا تھا کہ اس فون کال میں ایک انگوٹھی کا ذکر اس کی سمجھ میں آیا۔ اور اس کی مسلسل "فواد بھائی" "فواد بھائی" کی تکرار میں "بھائی" کا لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ کب تک اس کا رہتا؟ ایک نہ ایک دن وہ پھر کسی دوسری عورت کی طرف چلا جاتا۔ تب بھی وہ اکیلی رہ جاتی مگر تب وہ شاید برداشت نہ کرپاتی۔ اس میں بار بار ٹوٹنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ سو اس نے ٹوٹا ہوا برتن بننے کا سوچا۔ فرشتے نے اعتراف کیا تھا، معافی نہیں مانگی تھی۔ ہمایوں نے معافی مانگی تھی مگر اعتراف نہیں کیا تھا۔ اور وہ دونوں سمجھتے تھے کہ

وہ بری الذمہ ہوگئے ہیں۔ خیر!

"تیمور!" اس نے گود میں سر رکھے تیمور کے نرم بھورے بالوں کو پیار سے سہلایا۔

"ہوں؟" وہ کچی نیند میں تھا۔

"تم نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا کہ میں یوسف علیہ السلام کے ذکر پہ اداس کیوں ہوجاتی ہوں، ہے نا؟"

"جی ماما!" وہ نیم غنودہ سا بولا۔

"پتا ہے میں کیوں اداس جاتی ہوں؟" اس نے اپنے آنسو پونچھے، "کیونکہ وہ بہت صبر کرنے والے تھے اور وہ اپنے والد کے بہت پیارے تھے۔" اسے بولتے ہوئے کچھ اور بھی یاد آرہا تھا۔

"مگر ان کے اپنے بھائیوں نے ان کو ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔" اس کی آنکھوں کے سامنے کچھ مناظر تیزی سے چل رہے تھے۔

"پھر ان کو درہم کے عوض مصر میں بیچا گیا۔ ان پہ بہتان لگایا گیا۔ ان کو برسوں قید میں رکھا گیا۔ اور پھر ایک دن آیا جب وہ اسی مصر کے فنانس منسٹر بنے جس میں کبھی ان کو بیچا گیا تھا۔ ان کو اپنا بچھڑا ہوا بھائی مل گیا۔ اور وہ جنہوں نے ان پہ تہمتیں لگائی تھیں۔ اور وہ جنہوں نے ان کو ان کے گھر سے بے دخل کیا تھا، وہ ان کے پاس معافی مانگنے آئے۔ مگر اس ہستی نے کچھ نہیں جتایا، کچھ نہیں گنوایا، سب کو معاف کردیا۔ میں اس لیے اداس ہوتی ہوں تیمور، کہ میں صبر کے اس مقام پہ کبھی نہیں پہنچ سکی۔ کیا تم سن رہے ہو؟" اس نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا۔ اور پھر جھک کر اس کے بالوں کو چوما۔

تیمور گہری نیند سو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹی وی لاؤنج کی مرکزی دیوار پہ بڑی سی پلازمہ اسکرین لگی تھی۔ اس پر ایک خوبصورت منظر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

روشنیوں سے منور ایک بڑا سا ہال، ہزاروں لوگوں

ماہنامہ حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور
اگست 2011 کا شمارہ "رمضان نمبر" شائع ہوگیا ہے
اگست 2011 کے شمارے کی ایک جھلک
☆ اداکار "توقیر ناصر" سے ملاقات،
☆ "سائول" سعدیہ عابد کا مکمل ناول،
☆ "شام فراق" صبا جاوید کا مکمل ناول،
☆ "صاحبا مینو یاد آنوندا" تحسین اختر کا ناولٹ،
☆ "محبتوں میں حساب کیسا" مدیحہ تبسم کا ناولٹ،
☆ اس کے علاوہ مبشرہ ناز، ہما راؤ، طیبہ ہاشمی، سارا جبیں اور اسما بدر کے افسانے،
☆ "میرے ساحر سے کہو" ام مریم کا سلسلے وار ناول،
☆ "میں ستارہ صبح اُمید کا" فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول،
اس کے علاوہ
پیارے نبی ﷺ کی باتیں، انشائیہ، انٹرویو، شوبز کی دنیا کی دلچسپ معلومات کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں
اگست 2011ء کا شمارہ
آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

کا مجمع۔ اسٹیج پہ بیٹھی نامور دینی شخصیات اور روسٹرم پہ کھڑا وہ شخص جو لیکچر دے رہا تھا۔

ٹی وی کے سامنے صوفے پہ بیٹھے ہمایوں داؤد نے ریموٹ اٹھا کر آواز اونچی کی۔ والیوم کے بڑھتے نقطے اسکرین پہ موجود شخص کے کوٹ پہ نمودار ہوئے تھے۔

ہمایوں نے ریموٹ رکھ دیا۔ اب وہ بنا پلک جھپکے ساکت بیٹھا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ فیصلہ آج نہیں ہوا تھا' بلکہ بیسویں صدی کے اوائل میں ہی ہو گیا تھا کہ قرآن صرف عربی کا قرآن ہے۔ اس کے تراجم قرآن نہیں ہیں۔"

وہ روشن چہرے والا شخص اپنے خوبصورت انگریزی لب و لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے پہ نفاست سے تراشیدہ داڑھی تھی' اور سر پہ سفید جالی دار ٹوپی اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ کانچ سی بھوری' چمکتی ہوئی۔ اور مسکراہٹ بہت دلفریب تھی۔ کچھ تھا اس کی مسحور کن شخصیت میں کہ ہزاروں لوگوں سے بھرے ہال میں سناٹا تھا۔ سب سانس روکے اس کی بات سن رہے تھے۔

"آج کے دور کا مسلم جب قرآن کھولتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے اس میں وہ انداز کلام نظر نہیں آرہا جس کے قصّے وہ بچپن سے سنتا آیا ہے وہ انداز کلام جسے سنتے ہی عرب کے لوگ لاجواب ہو جاتے تھے' سجدے میں گر جاتے تھے' فوراً" ایمان لے آتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس قرآن کا لاکھ انکار کرنے کے باوجود ابوجہل بن ہشام جیسے لوگ بھی چھپ چھپ کر اسے سننے آتے تھے؟ اور کیا وجہ ہے کہ ہمیں اس میں وہ بات نہیں نظر آتی جو ان عربوں کو نظر آتی تھی؟ ہمیں کیوں یہ صرف قصوں کا مجموعہ لگتا ہے جن کے درمیان چند نصیحتیں ہیں اور نماز روزے کے احکام؟"

ہمایوں نے ریموٹ اٹھا کر دوبارہ آواز اونچی کی' اور پھر مضطرب انداز میں اسے واپس رکھ دیا۔

کیا آپ نے ڈاکٹر موریس بکائی کا واقعہ سنا ہے؟"

اس نے لمحہ بھر کو توقف کیا اور پورے ہال پہ نگاہ دوڑائی۔ سب دم سادھے اس کو سن رہے تھے۔

"ڈاکٹر موریس بکائی ایک فرنچ ڈاکٹر تھے۔ وہ اپنے پاس آنے والے ہر مسلمان مریض سے کہتے تھے کہ قرآن حق نہیں ہے بلکہ ایک من گھڑت کتاب ہے۔ مریض بے چارے آگے سے خاموش ہو جاتے۔ پھر ایک دفعہ جب شاہ فیصل ان کے پاس زیر علاج تھے۔ انہوں نے یہی بات شاہ فیصل سے کہی تو انہوں نے پوچھا "کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟" ڈاکٹر بکائی نے کہا کہ "ہاں پڑھا ہے" شاہ فیصل نے پوچھا کہ کیا پڑھا ہے تو انہوں نے بتایا کہ قرآن کا ترجمہ پڑھا ہے اس پر شاہ فیصل نے کہا "پھر تم نے قرآن نہیں پڑھا' کیونکہ قرآن صرف عربی میں ہے۔"

ڈاکٹر بکائی نے اس کے بعد دو سال لگا کر عربی سیکھی' اور پھر جب انہوں نے اصل قرآن پڑھا تو وہ فوراً" مسلمان ہو گئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا ہوتا۔ جو عربی ہم پڑھتے ہیں اس کا لیٹرل ورڈ مینگ litrered word meaning' ہمیں نہیں آتا ہوتا اور اس کا جو اردو ترجمہ ہم پڑھتے ہیں وہ اللہ نے نہیں اتارا ہوتا۔ کسی حد تک یہ تراجم اثر کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قرآن کا اصل جاننا چاہتا ہے۔ تو اسے چاہیے کہ وہ عربی کا قرآن پڑھے۔"

ہمایوں کے صوفے کے پیچھے جانے کب آہستہ سے فرشتے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بنا پلک جھپکے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"اب اس کے دو طریقے ہیں' یا تو آپ پوری عربی سیکھیں' یا آپ صرف قرآن کی عربی سیکھیں اور صرف قرآن کی عربی سیکھ کر بھی آپ بالکل درست طور پہ اصل قرآن سمجھ سکتے ہیں۔ اینی کوئسچن؟"

اس نے رک کر ہال پہ نگاہ دوڑائی۔

اسٹیج کے سامنے نیچے لگے مائیک کے قریب کھڑی ایک پاکستانی لڑکی فوراً" آگے بڑھی اور مائیک تھاما۔

"السلام علیکم ڈاکٹر تیمور۔"

"وعلیکم السلام!" وہ سر کے خفیف اشارے سے جواب دیتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"سر! مجھے آپ کی بات سن کر یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔ عربی بہت مشکل زبان ہے اور پیچیدہ اور یہ ہماری مادری زبان نہیں ہے۔ عام آدمی۔ اسے کیسے سیکھ سکتا ہے۔؟

وہ ذرا سا مسکرایا' اپنا اور پیرہ مائیک کے قریب لایا۔

"بالکل ایسے جیسے ہمارے ملک کے عام آدمی نے دنیا کے علوم حاصل کرنے کے لیے انگریزی سیکھی ہے۔ وہ بھی ہماری زبان نہیں ہے۔ مگر ہمیں آتی ہے۔ کیا نہیں آتی؟

عربی سیکھنا تو زیادہ آسان اس لیے بھی ہے کہ یہ اردو سے بہت قریب ہے۔"

لڑکی نے لاجواب ہو کر گہری سانس بھری پیچھے پورے ہال میں ایک تبسم بکھر گیا۔

"میرا ایک کوئسچن ہے سر!" ایک نوعمر لمبا سا لڑکا مائیک پہ آیا۔ "میں نے آپ کے پچھلے لیکچر سے متاثر ہو کر قرآن سیکھنا شروع کیا تھا مگر قرآن پڑھتے اب مجھ پر پہلے والی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ دل میں گداز نہیں پیدا ہوتا' میں قرآن پڑھتا ہوں تو میرا ذہن بھٹک رہا ہوتا ہے۔"

تیمور نے مائیک قریب کیا' پھر بغور اس لڑکے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کہیں جھوٹ تو نہیں بولتے؟"

"جی؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔

"ایک بات یاد رکھیے گا' قرآن صرف صادق اور امین کے دل میں اترتا ہے۔

میں نے اس کتاب کے بڑے بڑے علماء کو دیکھا ہے' جو امانت کی راہ سے ذرا سے پھسلے' اور پھر ان سے قرآن کی حلاوت چھین لی گئی' اور پھر کبھی وہ اس کتاب کو ہاتھ نہ لگا سکے۔"

ہمایوں کی کانچ سی بھوری آنکھوں میں ایک کرب ابھرا تھا۔ اس کے صوفے کی پشت پہ ہاتھ رکھے فرشتے ساکت کھڑی تھی اس کے پیچھے دیوار میں شیلف بنا تھا۔ ایک طرف میز تھی۔ میز پہ تازہ تہہ کی ہوئی جائے نماز ابھی ابھی رکھی گئی تھی۔

ساتھ شیلف کے سب سے اوپر والے خانے میں احتیاط سے غلاف میں لپٹی ایک کتاب رکھی تھی۔ اس کا غلاف بہت خوبصورت تھا۔ سرخ ویلوٹ کے اوپر سلور ستارے مگر گزرتے وقت نے غلاف کے اوپر گرد کی ایک تہہ جما دی تھی۔

اور وہ شیلف اتنا اونچا تھا کہ اس تک اسٹول پہ چڑھے بغیر ہاتھ نہیں جاتا تھا۔

"جس شخص میں صداقت اور امانت ہوتی ہے اور وہ واقعی قرآن حاصل کرنا چاہتا ہے تو قرآن اس کو دے دیا جاتا ہے۔" اسکرین وہ پہ روشن چہرے والا شخص کہہ رہا تھا۔

"ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے عرب معاشرے کے بارے میں عمومی تاثر یہ رکھتے ہیں کہ وہ بہت جاہل' گنوار لوگ تھے' اور بیٹیوں کو زندہ دبانے والے وحشی تھے' لیکن ان لوگوں میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ وہ مہمان نواز تھے عہد کی پاس داری کرتے تھے۔ جہاں تک بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام عرب کے کچھ غریب قبائل کرتے تھے اور اس وقت بھی انسانی حقوق کی تنظیمیں تھیں جو فدیہ دے کر ان بچیوں کو چھڑاتی تھیں۔ اور رہی بات صداقت کی تو عرب معاشرے میں جھوٹ بولنا انتہائی قبیح عمل سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس شخص پہ حیران ہوتے تھے جو جھوٹ بولتا ہو' اسی لیے ان لوگوں کو قرآن دیا گیا تھا اور اسی لیے ہم لوگ اس کی سمجھ سے محروم کر دیے گئے ہیں کیونکہ نہ تو ہم سچ بولتے ہیں' اور نہ ہی امانت کا خیال رکھتے ہیں' بھلے وہ کسی ذمہ داری کی امانت ہو' کسی کی عزت کی' یا کسی کے راز کی۔"

محمل مسکرا کر ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

وہ سیمینار ملائیشیا سے لائیو آرہا تھا۔ سیمینار ختم ہوتے ہی تیمور نے فلائٹ لینی تھی اور وہ جانتی تھی کہ رات کھانے پہ وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ ابھی اس نے

Scan & PDF
FIAZ AHMED
FriendsKorner.com

تیمور کے لیے اسپیشل ڈش کی تیاری بھی شروع کرنا تھی سو وہ پروگرام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

تیمور کے لیے کھانا وہ ہمیشہ اپنے ہاتھوں سے خود تیار کرتی تھی۔ ایک ایک سبزی خود کاٹتی تھی ہاں' آغا جان کا پرہیزی کھانا ملازمہ بنا لیتی تھی۔

وہ سیڑھیوں کے ایک طرف سے نکلتی ہوئی آغا جان کے کمرے کے دروازے کے باہر رکی اور اسے ہولے سے کھٹکھٹا کر کھولا۔

"آغا جان! آپ نے ناشتا کر لیا؟"

وہ بیڈ پہ لیٹے تھے۔ ان کے ہونٹ فالج کے باعث ذرا ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ اس کی آہٹ سن کر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پھر مسکرانے کی کوشش کی۔ جب سے وہ اپنی اولاد پہ بوجھ بنے تھے' محمل انہیں اپنے پاس لے آئی تھی۔

"تیمور کہہ رہا تھا' وہ رات تک پہنچ جائے گا۔"

وہ آگے بڑھی اور کھڑے کھڑے ان کا ہاتھ نرمی سے تھامے بتانے لگی۔

"میں رات کو کچھ اسپیشل بنانے کا سوچ رہی ہوں' کتنے دنوں بعد ہم تینوں اکٹھے کھانا کھائیں گے' ہے نا؟"

آغا جان نے پھر مسکرانے کی سعی کی' اس کوشش میں ان کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے۔

"آپ فکر مت کیا کریں' میں ہوں نا آپ کے پاس۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی آپ کو بھی دے گا۔" اس نے نرمی سے ان کے آنسو صاف کیے۔ "اچھا' مجھے مسجد میں ایک لیکچر دینا ہے' بس گھنٹہ لگے گا' میں ابھی چلتی ہوں' جلدی آنے کی کوشش کروں گی' پھر ڈنر کی تیاری بھی کرنی ہو گی۔" وہ گھڑی دیکھتی جانے کے لیے مڑی۔

آغا جان اب سسک سسک کر رو رہے تھے۔

باہر آ کر وہ سیڑھیوں کے پاس لگے آئینے کے سامنے رکی۔ سامنے کیل پہ اس کی پونی ٹنگی تھی۔ اس نے پونی اٹھائی اور لمبے بال سمیٹ کر اونچی پونی میں جکڑے' پھر ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا اور مسکرا دی۔

وہ آج بھی اتنی ہی صبیح' تروتازہ اور خوب صورت تھی جتنی برسوں پہلے ہوا کرتی تھی۔ وہ اونچی پونی آج بھی اس پہ اتنی ہی خوب صورت لگ رہی تھی جتنی پہلے لگتی تھی۔ اور آج بھی ہر صبح وہ وہیں جاتی تھی جہاں پہلے جایا کرتی تھی۔

اس نے ٹی وی بند کیا۔ (تیمور کا پروگرام ختم ہو چکا تھا) اور میز سے اپنا بیگ اور سفید جلد والا قرآن اٹھائے "آغا ہاؤس" سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

وہ مسجد جانے سے قبل پندرہ منٹ کے لیے بس اسٹاپ ضرور جایا کرتی تھی۔ اسے کئی برسوں سے اس سیاہ فام لڑکی کی تلاش تھی جس نے اس تک قرآن پہنچایا تھا۔ وہ ایک دفعہ اس سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

سنہری سی صبح اتری ہوئی تھی۔ دور کہیں پرندے بول رہے تھے' وہ دھیمی رفتار سے چلتی' سفید جلد والا قرآن سینے سے لگائے بینچ پہ آ بیٹھی۔ ہر صبح کی طرح آج بھی وہ اسی موہوم سی امید پہ ادھر آئی تھی کہ شاید وہ لڑکی آ جائے۔

رات خوب بارش ہوئی تھی۔ سرمئی سڑک ابھی تک گیلی تھی۔ وہ سر جھکائے اداس سی بیٹھی سڑک پہ چلتی چیونٹیاں دیکھ رہی تھی۔

پندرہ منٹ ختم ہونے کو آئے تھے مگر وہ لڑکی کہیں بھی نہیں تھی۔

مایوس ہو کر محمل نے جانے کے لیے بیگ اٹھایا۔

تب ہی اسے سڑک پہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے بے اختیار سر اٹھایا۔

ایک لڑکی دور سے چلی آ رہی تھی۔

کندھے پہ کالج بیگ' ہاتھ میں موبائل' شولڈر کٹ بال کیچر میں جکڑے ہوئے جینز پہ کرتا پہنے چیونگم چباتی' قدرے جھنجلائی ہوئی سی وہ دھپ سے آ کر اس کے ساتھ بینچ پہ بیٹھی۔

محمل یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ لڑکی روز اس وقت ادھر آتی تھی' مگر آج سے پہلے وہ اسے دیکھ کر اتنی چونکی نہیں تھی۔ اب وہ پاؤں جھلاتی ہوئی اکتا کر موبائل کے بٹن پریس کر رہی تھی۔

"پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو۔" زیر لب غصے سے بڑبڑا کر اس نے ایک بٹن زور سے دبایا اور موبائل بیگ میں پھینکا۔

وہ ابھی تک یوں ہی اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ بہت دھیرے سے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

وہ لڑکی ادھر ادھر گردن گھماتی تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ دفعتاً محمل کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے وہ چونکی۔

محمل نے ذرا سنبھل کر نگاہیں جھکا لیں۔ نیچے اس لڑکی کا بیگ پڑا تھا' جس پہ جگہ جگہ چاک سے اس کا نام لکھا تھا۔

"عشاء حیدر۔"

وہ زیر لب مسکرا دی' بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔

"ایکسکیوز می!" اس نے چیونگم چبانا روک کر ایک دم محمل کو مخاطب کیا۔ محمل نے نرمی سے نگاہیں اٹھائیں۔

"جی؟"

"میں روز آپ کو دیکھتی ہوں اور......" اس نے محمل کی گود میں بیگ کے اوپر رکھے سفید کور والے قرآن کی طرف اشارہ کیا۔ اور آپ کی اس بک کو بھی۔ آپ اتنی کیئر سے اسے رکھتی ہیں' اس میں کیا کچھ خاص ہے؟"

محمل نے سر جھکا کر سفید قرآن کو دیکھا' جس کی صاف جلد اب خستہ ہو گئی تھی اور جھلکتے صفحے زرد پڑ گئے تھے۔ وہ دیکھنے سے کوئی بہت قدیم کتاب لگتی تھی۔

"خاص تو ہے۔" اس نے مسکرا کر سر اٹھایا۔

"اچھا۔ واٹس سو اسپیشل؟" وہ متجسس ہوئی۔

"اس میں کسی عشاء حیدر کا ذکر ہے' اس کی زندگی کی کہانی ہے اور اس کے لیے کچھ میسجز ہیں۔ اس لیے اسپیشل تو ہے۔"

وہ لڑکی یک ٹک منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔

"کون...... کون عشاء حیدر؟" بہت دیر بعد بمشکل وہ بول پائی تھی۔

"ہے ایک اس زمین پہ بسنے والی لڑکی جس کو لوگوں کی باتیں غمگین کرتی ہیں' جس کے کہنے سے قبل کوئی اس کے دل کی بات نہیں سمجھتا اور جس کو زندگی سے اپنا حصہ وصول کرنا ہے۔"

اسی لمحے بس نے ہارن بجایا۔ محمل نے بات روک کر دور سے آتی بس کو دیکھا۔

"میں چلتی ہوں' تمہاری بس آ گئی ہے۔" وہ سفید جلد والی کتاب اور بیگ اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ لڑکی ابھی تک ششدر سی بیٹھی تھی۔

بس قریب آ رہی تھی۔

محمل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بینچ سے دور جانے لگی۔

"سنیں...... بات سنیں' ایک منٹ رکیں۔" یک دم وہ بے چینی سے اٹھی اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Scan & PDF FIAZ AHMED Friendskorner.com